3251

نماز پنجگانہ

کا

قرآنی ثبوت

علامہ تمنا عمادی

ناشر

مکتبہ معاویہ ۱۱/۷ بی. ون ایریا لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بار اول ۱۹۷۱ء

مطبوعہ انجمن پریس، کراچی

۲/-

Marfat.com

86395
68895

فہرست مضامین

	صفحہ		صفحہ نمبر
عبادت اور پوجا کا فرق	۴	آیت کے مذکورہ ترجموں میں غلطی	۵۱
سبب تالیف	۹	عود الی المقصود	۵۴
تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم	۱۰	اصل مختلف فیہ مسئلہ	۵۹
اوّل المومنین اور اوّل المسلمین	۱۲	نماز کا پہلا دور مبارک	۶۵
سورۂ علق کی ابتدائی آیتوں کے	۱۸	نماز کے دوسرے کی دو رکعتیں صبح صادق	۶۹
اول الوحی ہونے کی روایت پر تنقید		حکم نماز کی دوسری آیت	۷۱
صلاحیت قرأت، وکتابت	۲۴	گھر سے باہر	۷۴
قرآنی شہادت	۲۶	مومنین کو نماز کا حکم	۷۸
اہل مدینہ بھی لکھے پڑھے تھے	۲۹	نماز کا دوسرا دور	۷۹
روایات کو پرکھنے کا معیار	۳۰	نماز کا تیسرا دور	۸۶
درایت قرآنیہ	۳۱	جو رات کو نہیں سویا	۸۷
روایات و اخبار	۳۱	واضح رہے	۹۱
صرف قرآن مجید	۳۲	ایسے ہوتے ہیں معارف القرآن	۹۳
اپنا تعارف	۳۴	نماز کا چوتھا دور	۱۰۳
آمدم بر سر مطلب	۳۵	نماز کا پانچواں دور	۱۰۵
ماخذ	۴۳	ایک اہم نکتہ	۱۰۷
ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ	۴۶	دوسرا نکتہ	۱۰۸

Marfat.com

150 م

	صفحہ نمبر
ماحصل	۱۰۹
حکم صلوٰۃ کی ساتویں آیت	۱۱۱
ضد اور غیر مفید ضد	۱۱۴
ایک جاہلانہ ادّعا۔	۱۱۶
ایک اور بات	۱۱۹
حرف الجر	۱۱۹
اہل غوایت کا طریقہ	۱۲۱
سورۂ بنی اسرائیل کی سات آیتوں ۱۲۴	
کے تفسیری نکات	
نگاہ بازگشت	۱۲۰

	صفحہ نمبر
دور اول	۱۳۰
دوسرا دور	۱۳۲
تیسرا دور	۱۳۴
چوتھا دور	۱۳۸
پانچواں دور	۱۴۲
ضمیمہ	۱۵۲
رکعات نماز پنجگانہ	۱۵۲
قرارت نماز	۱۵۷
ایک اور بات	۱۶۲
جہری و سری نمازیں	۱۶۵

3251

Marfat.com

۱۲۵۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عبادت اور پوجا کا فرق

یوں تو عبادۃ ایک عربی لفظ ہے معنی مصدری میں بھی مستعمل ہے مگر زیادہ تر حاصل مصدر کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ "وہ عبادت میں مصروف ہیں" یہاں معنی مصدری مراد ہے۔ اور "نماز ایک عبادت ہے" اس جملے میں حاصل مصدر کا مفہوم ہے اسکا ہندی ترجمہ بمعنی مصدری پوجنا اور بمعنی حاصل مصدر "پوجا" ہی ہوگا۔ مگر باعتبار اصطلاح عرفی ومحاورۂ اسلامی طریق پرستش کو عبادت کہتے ہیں اور اہل کتاب کے طریق پرستش کو بھی اور ہندوں کے طریق پرستش کو پوجا کہتے ہیں۔ اہل کتاب یہود ونصاریٰ میں عبادت ایک مذہبی رسم کی حیثیت سے ادا کی جاتی ہے۔ جو جذبہ عبادت سے بڑی حد تک خالی ہوتی ہے اور افسوس ہے کہ یہی حال عام مسلمانوں کا بھی ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پوجا مگر پوجا میں جذبات ظاہری اعمال کیساتھ ضرور ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کا معبود پتھر کا ہو یا مٹی کا انکے سامنے موجود ہوتا ہے اس لئے وہ مندر میں جذبہ عقیدت کیساتھ آتے ہیں اور اپنے دیوتا کی مورتی کے آگے جذبہ عقیدت کیساتھ ڈنڈوت کرتے ہیں پرنام کرتے ہیں اور پوجا کی رسم ادا کرتے ہیں۔ وہ اپنے دیوتاؤں سے امیدیں رکھتے ہیں اور انکی ناخوشی سے ڈرتے بلکہ بہت ڈرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انکے دیوتا انکی پوجا ہی سے خوش رہ سکتے ہیں۔ کوئی دیوتا اپنے پجاریوں کے اخلاق ومعاملات واعمال کو نہیں دیکھتا۔ انکے پجاری جو چاہیں کرتے رہیں۔ مگر انکو پوجتے رہیں۔ اسلئے کوئی ہندو بطور خود اپنی نیک فطرتی کی وجہ سے اپنے اخلاق ومعاملات کو درست رکھے یہ اور بات ہے۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھتا کہ ہمارے

Marfat.com

دیوتا ہماری بداخلاقی و بدمعاملگی و بداعمالی کی وجہ سے ہماری پوجا کو قبول نہیں کریں گے اور ہم سے کوئی مواخذہ کریں گے۔ ہندو یہی جانتا ہے کہ ہمارا پرو تو صرف پوجا ہی سے خوش رہتا ہے پجاری کے اخلاق و معاملات و اعمال کو نہیں دیکھتا

عبادت قرآن مجید نے عبادت کا مفہوم جو بتایا ہے وہ بہت وسیع ہے یعنی اپنے کو اللہ کا بندہ سمجھتے ہوئے اور اسکی بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے پوری زندگی بسر کرنا۔ اسلام میں عبادت دل و دماغ کا کام ہے۔ دل میں جذبہ عبادت کا ہر وقت موجود رکھنا درحقیقت عبادت ہے۔ جذبہ عبادت متعدد جذبات کے مجموعے کا نام ہے۔ والہانہ شیفتگی۔ فدویانہ سپردیدگی۔ عاجزانہ فروتنی۔ مخلصانہ نیازمندی اور غلامانہ حاضر باشی۔ ان پانچ جذبوں کے مجموعے کا نام جذبہ عبادت ہے۔ غلامانہ حاضر باشی سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے کو ہر وقت اپنے مالک اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر سمجھے اسلام و ایمان و احسان والی حدیث میں احسان کا مفہوم بتایا گیا ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اسطرح کرو کہ گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ تم اگر اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تم کو ضرور دیکھ رہا ہے۔ (فانہ پر فا تعلیلیہ ہے) جو بندہ یہ تصور قائم رکھے کہ ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہیں اور ہمیں اور ہمارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ کیا اس سے کبھی جانتے بوجھتے نافرمانی ہو سکے گی؟

اس جذبہ عبادت کو دل و دماغ میں ہر وقت بیدار رکھنے کے لئے پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ حکم ہے اقم الصلوٰۃ لذکری نماز کی (پابندی) قائم رکھو مجھکو یاد رکھنے کے لئے جو شخص ہر چند گھنٹے کے بعد اپنے

Marfat.com

مالک کی بارگاہ میں حاضری دیتا رہے گا. رات کو سوئیگا تو بارگاہ میں حاضری دیکر سوئے گا تو یہ خیال رکھتے ہوئے کہ فجر کو سویرے اٹھ کر مالک کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے اور سوکر اٹھے گا تو ضروریات سے فارغ ہو کر پہلے مالک کی بارگاہ میں حاضری دے گا اور مصروفیتوں میں نماز کے وقت کا خیال رکھے گا کہ مالک کی بارگاہ میں حاضری کو کبھی بھول نہ جائے۔ ایسا شخص اپنے مالک کی نافرمانی جانتے بوجھتے کبھی نہیں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ ہمارے اخلاق و معاملات اور سارے اعمال کی مالک کے یہاں پرسش ہو گی. ہم صرف نماز روزہ اور ایک بار حج کر کے مالک کو اپنے سے راضی نہیں رکھ سکتے اس لیے اسکے اخلاق اسکے معاملات اور اسکے سارے اعمال مالک کی مرضی اور مالک کے حکم کے مطابق ہی ہوں گے اگر اس سے کبھی بھولے چوکے یا کبھی بتقاضائے بشریت یا القصد بھی کوئی نافرمانی کسی حکم کی بھی ہو جائے گی تو وہ بعد کو بہت پچھتائے گا۔ مالک کے آگے روئیگا گڑگڑائیگا اور توبہ کریگا اور پھر کوئی ایسا کام نہ کریگا۔

تجھے ناخوش یہی احساس ہے اک سخت عذاب　　تیرے مجرم کو سزا اسکی خطا دیتی ہے

غرض تعمیل حکم کے ذریعے ہاتھ پاؤں سے یا مال سے یا ضبط نفس سے جذبہ عبادت کا اظہار کیا جاتا ہے. جذبہ عبادت کے ماتحت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا ہو تو عبادت ہے دل میں جذبہ عبادت نہ ہو مگر ظاہری اعمال سے عبادت کا کام کیا جاتا ہے تو وہ عبادت کی نقل ہے عبادت نہیں ہے۔

غرض پوجا صرف اپنے سے دیوتا کو خوش رکھنے کیلئے وقتی طور سے کی جاتی ہے. اور عبادت ان جذبات. بندگی کو جو ہر وقت دل و دماغ میں رہتے ہیں انکو بیدار رکھنے کیلئے کی جاتی ہے

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین الرحمان الرحیم مالک یوم الدین
والسلام علی المرسلین وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ
لاسیما علی خاتم النبیین المصطفیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ و
اھل بیتہ امھات المومنین ۔

اللھم صل وسلم وبارک علیہ وعلیھم جمعین

ادارۂ بلاغ القرآن، لاہور کی طرف سے شائع کردہ کتاب "الصلوٰۃ" میں سورۂ نساء کی آیت کریمہ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً (نماز سارے مومنین پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے) میں الصلوٰۃ کے لفظ پر جو الف لام ہے، اسے الف لام استغراق بتا کر اور قرآنی آیات میں تحریفات کثیرہ کے ذریعہ صرف تین وقت کی نماز فجر، ظہر اور عشاء کی فرض قرار دے کر، استغراق کو حصر کے معنی میں لے کر صرف انہی تین وقتوں کی نماز کو قرآنی نماز قرار دیا ہے۔ اور وہ بھی دو دو رکعتیں اور ہر رکعت میں ایک قیام یعنی رکوع کے بعد والے قومہ کو بھی حذف

Marfat.com

کر کے اور صرف ایک سجدے کو قرآنی نماز کہا گیا ہے۔ اور مصنف کتاب مذکور کی طبعزاد دو دو رکعت مذکورہ تین وقتوں کے سوا عصر اور مغرب کی فرض نمازوں کو اور سنت اور نفل کی ساری نمازوں کو خلاف قرآن اور ناجائز قرار دیا ہے، فقط تہجد کی نماز صرف دو رکعت نفل قرار دے کر قرآنی نماز لکھا ہے۔

اس کتاب کے مصنف نہ الف لام کی قسمیں جانتے ہیں، نہ الف لام استغراق کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ نہ استغراق اور حصر کے مفہوموں میں جو فرق ہے۔ اس سے واقف ہیں۔ انہیں کچھ نحوی اصطلاحیں یاد ہیں۔ مگر ان کے الفاظ ہی یاد ہیں۔ ان کے مفاہیم سے وہ بالکل بے خبر ہیں۔ عوام پر اپنی علمی قابلیت جتانے کے لئے وہ کہیں کہیں اصطلاحی الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ انہیں اس کی مطلقاً خبر نہیں کہ نہ الف لام کبھی حصر و قصر کے لئے آتا ہے اور نہ استغراق کا مفہوم حصر کا مستلزم ہے سورۂ حجرات کی آیت انما المؤمنون اخوۃ (سارے مومنین (باہم) بھائی بھائی ہیں) یہاں المومنون پر الف لام استغراق کا ہے۔ اور حصر کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے انما کا لفظ لایا گیا ہے۔ اگر الف لام استغراق ہی سے حصر کا مفہوم پیدا ہو جاتا تو انما کا لفظ بے ضرورت کیوں لایا جاتا، استغراق سے جامعیت کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اور حصر و قصر سے مانعیت کا، مگر مصنف کتاب الصلوٰۃ کو ان باتوں کی کیا خبر۔

فتح جنگ بدر کے بعد سورۂ نساء کا بارہواں رکوع نازل ہوا ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ یہ نہایت گمراہ کن خیانت ہے کہ درمیان سے کسی آیت کو لے لیا، جیسے وہی ایک آیت مستقل طور سے نازل ہوئی تھی۔ اور اس کو ماقبل اور مابعد کی آیتوں سے

Marfat.com

کوئی تعلق نہیں اور پھر اس آیت سے ایسا مفہوم نکالنا جو عہد نبوی سے لے کر دور حاضر تک کسی دوسرے کو اس کا وہم بھی نہ ہوا ہو۔ اسی قدر نہیں بلکہ ادب عربی کی رو سے بھی غلط ہو۔ معمولی درجہ کا عربی داں بھی جس کو سنکر ہنس دے۔ کیا قرآن مجید پر اور دین اسلام پر اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے۔؟

سبب تالیف:۔

یہ رسالہ دراصل ادارہ مذکورہ کی شائع کردہ اسی کتاب الصلوٰۃ کی فریب کاریوں سے ان سیدھے سادے کم علم مسلمانوں کو باخبر کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں، جو دو وقت کی نماز اور تین وقت کی نماز کا ادعا کرنے والوں کے گمراہ کن لٹریچر سے متاثر ہو کر دو وقت یا تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں۔ اور عصر و مغرب کی یا ظہر کی کبھی نماز پڑھنے کو قرآن مجید کی انتہائی مخالفت سمجھتے ہیں۔ اور نفل و سنت کی نمازیں پڑھنے کو "شرک" تصور کرتے ہیں۔ کہ خدا کے لئے ایسے گمراہ کن فریب میں نہ پڑیئے اور اپنی عاقبت برباد نہ کیجئے۔

یہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں، وہ دو وقت یا تین وقت کی نمازیں ماننے والوں کے نام کوئی نجی خط نہیں ہے یہ مرحلہ میں طے کر چکا ہوں۔ نجی خطوط سے کوئی فائدہ متوقع بھی نہ تھا۔ جو شخص اپنا عندیہ ببانگ دہل دعویٰ کے ساتھ پیش کر چکا ہو، بہت مشکل ہے کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اس کا اعلان کر دے۔ اور اپنے پندار قرآن فہمی کی کرسی سے اتر آئے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

Marfat.com

واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔ (عنکبوت ع ۵)

یعنی، اور نماز پابندی سے قائم کرو، بلاشبہ نماز بے حیائی کی باتوں، اور ناپسندیدہ کاموں سے روک دیتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی (چیز) ہے۔ (سہارے کے لئے۔)

تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ بیننا وبینکم

ہر مسلمان اتنا ضرور جانتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز دین اسلام میں ہر مسلمان پہ فرض ہے۔ بلکہ غیر مسلموں کی بہت بڑی اکثریت جانتی ہے کہ مسلمانوں پہ پنجگانہ نمازیں فرض ہیں۔

چودہ سو برس سے آج تک دنیا کے جس حصے میں بھی مسلمان آباد رہے فرقہ بندی سے پہلے یا بعد، ہر فرقے کے مسلمان پانچ وقت کی نماز کی فرضیت پر متفق رہے۔ کسی فرقہ، کسی شہر، کسی دور کے مسلمانوں کو بھی پنجگانہ نماز کی فرضیت سے اختلاف نہ ہوا۔ کسی فرقے کی کتاب حدیث میں ہو یا فقہ میں قدیم سے قدیم تالیف و تصنیف ہو یا جدید سے جدید، آپ ضرور پنجگانہ ہی نماز کی فرضیت کا ذکر اس میں پائیں گے۔

قرآن مبین تو ہر مسلم فرقے کی متفق علیہ کتاب ہے۔ ہر مسلمان چاہے جس فرقے کا بھی ہو۔ قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہے۔ اور اس کو اللہ تعالےٰ کی

Marfat.com

کتاب مانتا ہے۔ اس کے ہر لفظ کی صحت پر ایمان رکھتا ہے۔

اس چودھویں صدی میں بھی جو کچھ لوگ غیر منقسم ہندوستان میں ایسے پیدا ہو گئے تھے اور بعضے اس وقت مغربی پاکستان میں نظر آ رہے ہیں اور شاید ہندوستان میں بھی ہوں۔ جو قرآن مجید میں صرف دو ہی وقت کی نماز کا ثبوت پاتے ہیں۔ اور بعضے تین وقت کی نماز سے زیادہ قرآن مجید میں نہیں پاتے۔ یہ حضرات بھی قرآن مجید کو ضرور اللہ کی کتاب، تحریف و تصحیف سے ہر طرح محفوظ مانتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کا سب سے زیادہ مومن و مہیمن خود اپنے کو سمجھتے ہیں۔ میرے مخاطب اس وقت وہی دو وقت یا تین وقت کی نماز از روئے قرآن مجید فرض ماننے والے ہیں۔ ان سے میں کہتا ہوں کہ :-

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم۔ آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں واجب التسلیم ہے۔ (آل عمران ع ۷)

ہم دونوں بتوفیقہ تعالیٰ جب اللہ تعالےٰ پر اللہ تعالےٰ و تبارک کی کتاب قرآن مجید پر، اللہ تعالےٰ کے رسولوں پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھر روز قیامت پر اور قیامت کے دن اعمال کی بازپرس پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو پھر روز محشر کی بازپرس سے ڈرتے ہوئے پوری دیانت کے ساتھ قرآنی آیات پر غور کریں۔ کہ واقعی نماز کے متعلق قرآن مبین کیا ارشاد فرماتا ہے۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
از خدا ترس و کار ایماں کن

Marfat.com

اوّل المومنینؓ اور اوّل المسلمینؐ۔

ہر رسول اپنی امت سے پہلے خود مومن و مسلم ہوئے، ظاہر ہے کہ جو خود مومن نہ ہوگا۔ وہ دوسروں کو کیا ایمان سکھائے گا جو خود مسلم نہ ہوگا وہ دوسروں میں اسلام کی کیا تبلیغ کرے گا۔ یقیناً پہلے ہر نبی کو ایمان کی تلقین اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوئی اور اسلامی فرائض سے ان کو مطلع کر دیا گیا نماز کی پابندی کا پہلے حکم انہی کو ہوا پھر ان کے ذریعے ان کی امت کو ایمان و اسلام سے واقفیت حاصل ہوئی۔

ایمان تو نام برحق عقائد کی تصدیق اور دل میں ان کو جاگزیں کرنا ہے یعنی جن باتوں پر یقین رکھنا اور ان کا اقرار کرنا فرض ہے۔ اور اسلام نام ہے احکام رب العالمین پر عمل کرنے کا۔ سب سے اہم حکم نماز کا ہے۔ اس لئے ہر نبی کو سب سے پہلے حکم ایمان کی تلقین کے بعد نماز کا ہوا۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ ایک جگہ اپنی بیوی کو ٹھہرا کر ان کے تاپنے کے لئے آگ لانے کی غرض سے اس طرف پہونچے۔ جس طرف آگ کے آثار ان کو نظر آئے تھے۔ تو ان کو وہاں آواز دی گئی، اللہ نے اپنا تعارف کرایا۔ ایمان کی تلقین فرمائی۔

(سورۂ طٰہٰ آیات ۹ سے ۱۶ تک)

دو چیزیں ایمان کی اصل ہیں۔ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر، جو اللہ تعالےٰ ہی پر ایمان نہیں رکھتا یا اللہ پر تو ایمان رکھتا ہے کہ ایک خالق کائنات ضرور ہے مگر قیامت والے آخری دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ اعمال کی جزا و سزا پر

Marfat.com

یقین نہیں رکھتا۔ وہ جو چاہے گا کرے گا۔ یقیناً وہ خود غرض، نفع پرست اور ہوا و ہوس کا بندہ رہے گا۔ نہ اس کے اخلاق کا کوئی اعتبار نہ اس کے قول و عہد کا کوئی بھروسا۔ وہ صرف اپنا نفع اور اپنی خوشی ہر کام میں دیکھے گا۔ کمزوروں پر ظلم کرنے سے کبھی باز نہ رہے گا۔ اس سے عدل و انصاف کی امید رکھنا خام خیالی ہے۔ اللہ پر صحیح طور پر ایمان ہو تو پھر اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول اور اللہ کے فرشتوں پر بھی ایمان رکھنا ہی ہوگا۔ اور پھر اللہ کی کتاب کی ہدایات اور اللہ کے رسول کی تعلیم کے مطابق اللہ تعالےٰ کے احکام کی تعمیل بھی کرنی ہوگی۔ اور قیامت کے آخری دن پر ایمان رکھتے ہوئے نافرمانی، سرکشی اور مخلوق پر ظلم کرنے سے بچتے رہنا ہوگا۔ غرض ایمان کی تلقین کے بعد اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو سب سے پہلے فریضۂ بندگی ادا کرنے رہنے کا حکم فرمایا۔ اور اس کی

حکمت و وجہ بتلائی

واقم الصلوٰۃ لذکری۔ (طٰہٰ آیت ۱۴)

مجھ کو یاد رکھنے کے لئے نماز کی پابندی قائم رکھو۔

واؤ یہاں تفسیری ہے۔ یعنی اس کے پہلے متصلاً جو فاعبدنی (میری ہی عبادت کرو) ہے۔ اس کی تفسیر ہے :۔ واقم الصلوٰۃ لذکری۔

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو جب ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام گود میں لے کر اپنی قوم کے سامنے پہونچیں تو اس وقت انہوں نے بھی قوم سے جو باتیں کیں۔ تو اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا۔

واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیًا۔ (مریم ع ۲)

Marfat.com

اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے نماز اور زکوٰۃ کی تا زندگی پابندی کا۔

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آئی۔ وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آئی جیسا کہ سورۃ بقر کی آیت ۹۷ میں مذکور ہے۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ پہلے پہل حضرت جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کس جگہ پہونچے۔ قرآن مجید میں اس کا مفصل ذکر نہیں۔ ایک لفظ سے اشارے سے سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی پہاڑ پر پہلے پہل وحی آئی تھی۔ اس کا ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا

البتہ حدیثوں سے اور سیرت و تاریخ کی کتابوں سے بحیثیت خبر متواتر ثابت ہے کہ پہلے پہل وحی کوہ حرا پر آئی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ حرا ہی پر پہلے پہل حضرت جبریل کو دیکھا تھا۔

ولقد رآہ بالافق المبین۔ (تکویر آیت ۲۳)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل کو آسمان کے صاف اور واضح کنارے پر دیکھا تھا۔

نیز ارشاد ہے۔

وھو بالافق الاعلیٰ ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ[1] فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (النجم ۸،۹،۱۰)

اور وہ (حضرت جبریل) آسمان کے بلند کنارے پر تھے پھر قریب آگئے۔

---

[1] اوادنیٰ میں او اضراب کے لئے ہے۔ یعنی بلکہ کے معنی میں آیا ہے جیسے صافات ۱۴۷ میں وارسلناہ الیٰ مائۃ الف او یزیدون میں او بلکہ کے معنی میں آیا ہے

پھر اتر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کمان کے فاصلے پر رہ گئے۔ بلکہ اس سے بھی قریب تر تو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنی تھی۔ بذریعہ جبریل وحی کی۔

ان آیات میں گو وحی کی تفصیل مذکور نہیں۔ مگر آغاز وحی اور منصب نبوت و رسالت عطا کرنے والی وحی صیغۂ راز کی وحی نہیں ہو سکتی۔ کہ اس کی تلاش یا اس کے مفہوم کی ٹوہ لگانا ممنوع یا خلاف ادب سمجھا جائے۔

مشہور و معروف روایت آغاز وحی سے متعلق جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے، اس سے سورۂ علق کی پہلی پانچ آیتوں کے اترنے کو تو بالاتفاق سارے محدثین، سارے اہل سیر، سب فرقوں کے علماء مانتے آ رہے ہیں۔ مگر بخاری کی روایت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مذکور نہیں ہے۔ اور یہ غیر ممکن ہے کہ حضرت جبریل نے بغیر بسملہ کے صرف پانچ آیتیں پڑھوائی ہوں۔ باوجود اس کے کہ اس کی پہلی ہی آیت میں حکم ہے کہ:-

اقرأ باسم ربك الذی خلق

اور واؤ بھی بلکہ کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے "وما تکون فی شأن وما تتلوا منہ من قرآن وتعملون من عمل الا کنا علیکم شھودا اذ تفیضون فیہ" میں "ولا تعملون من عمل" میں واؤ بمعنی بلکہ ہے اور آگے ایک آیت آتی ہے ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان، یہاں بھی واؤ بمعنی بلکہ ہی زیادہ مناسب مقام معلوم ہوتا ہے۔ اضراب کے مفہوم میں مفہوم سابق پر ترقی ہوتی ہے۔ جو یہاں موجود ہے.....

Marfat.com

تمہارا رب جس نے پیدا کیا اس کے نام سے (ابتدا کرتے ہوئے) پڑھو۔

اس حکم کے باوجود بسم اللہ الخ پڑھوائے بغیر اقرار سے پڑھوانا بالکل خلاف عقل ہے۔ مگر دوسری کتابوں میں بسم اللہ کے بھی پڑھوانے کا ذکر ہے۔ کہ سب سے پہلے بسم اللہ الخ ہی پڑھوائی۔ بعض روایتوں میں سورۂ فاتحہ کے اسی وقت اترنے کا ذکر ہے۔ جو بالکل قرین قیاس ہے۔ اور علامہ زمخشری کے قول کے مطابق تو اکثر مفسرین کے نزدیک سب سے پہلی وحی قرآنی سورۂ فاتحہ ہی ہے۔ مگر یہ سب چیزیں بعد کی ہیں۔ اصل وحی جو یقیناً سب سے پہلے ہوئی تھی۔ اس کا ذکر کسی کتاب میں نہیں۔ کوئی راوی بھی اس کی روایت نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز وحی کا حال اگر کسی سے بیان کیا ہوگا تو ضرور پورا حال بیان فرمایا ہوگا۔ مگر کوئی روایت مکمل نظر نہیں آتی۔

قرآن مجید ہی میں ہے۔

ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان (شوریٰ آیت ۵۲)

اے رسول تم تو واقف بھی نہ تھے کہ منزل من اللہ کتاب کیا ہے (کیسی ہوتی ہے) بلکہ ایمان کی حقیقت سے بھی ناآشنا تھے۔

جو شخص ایمان کی حقیقت خود نہیں جانتا۔ اس کو حقیقت ایمان سے پوری طرح واقف کئے بغیر اور اسے مومن بنائے بغیر نبوت و رسالت کا اہم ترین منصب کیونکر دیا جا سکتا ہے؟

سورۂ بقر میں ارشاد ہے۔

آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل

Marfat.com

آمن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ (آیت ۲۸۵)

ان رسول کی طرف جو کچھ ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اس پر یہ رسول خود بھی ایمان لائے ہیں۔ اور سارے مومنین بھی اور سب کے سب (یہ رسول بھی اور مومنین بھی) اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے ہیں، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں

(بقرہ ؛ ۲۸۵۔ آخری رکوع)

تو مومنین ان رسول کی بعثت کے بعد ان کی تبلیغ و تعلیم سے ایمان لائے۔ رسول خود کب ایمان لائے۔ یقیناً جس طرح حضرت موسیٰؑ جب وادی مقدس "طویٰ" میں وارد ہوئے۔ تو سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے اپنا تعارف کرایا اور یہ بتایا کہ وہ کس ہستی سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہے ہیں (انی انا ربک ۲۰/۱۲) اس کے بعد ان کو منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمانے کی خبر دی۔ (وانا اخترتک ۲۰/۱۳) پھر انی انا اللہ لا الہ الا انا۔ (میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں) ارشاد فرما کر گویا توحید کی تلقین فرمائی گئی۔ اس کے بعد ہی حکم ہوا کہ فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری۔

(تو میری عبادت کا حق بندے بن کر ادا کرو اور صلوٰۃ کی پابندی مجھ کو یاد رکھنے کے لئے قائم رکھو) اسی طرح یقیناً حضرت جبریل نے بھی پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا تعارف کرایا ہوگا، پھر حضرت جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی وحی زبانی کی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اول المومنین ہو چکے تو اس کے بعد اسی موقع پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی وحی حضرت جبریل نے پیش کی۔

Marfat.com

اس میں ایاک نعبد و ایاک نستعین کے اقرار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اول المسلمین بھی بنا دیا۔ پھر اس کے بعد اسی وقت بسم اللہ کے ساتھ سورہ علق کی آیتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھوائیں۔

سورہ علق کی ابتدائی آیتوں کے اول الوحی ہونے کی روایت پر تنقید

مگر بخاری کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ غارِ حرا میں سب سے پہلے جو وحی قرآنی نازل ہوئی وہ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ نیز روایت میں پڑھوانے کی کیفیت یہ مذکور ہے۔ کہ حضرت جبریل نے کہا کہ اقرأ، جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ما انا بقارئ تو حضرت جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کیا، پھر کہا کہ اقرأ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا۔ حضرت جبریل نے پھر معانقہ کیا اور اس کے بعد کہا، اقرأ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا۔ پھر تیسری بار انہوں نے معانقہ کیا اور کہا کہ اقرأ، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ دیا۔ یہ روایت اور اس میں پڑھوانے کی جو کیفیت مذکور ہے دونوں محل تامل ہیں۔

اس کی ایک وجہ تو بالکل کھلی ہوئی ہے۔ کہ اگر حضرت جبریل صرف زبانی کہی ہوئی آیات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے دہروانا چاہتے تو وہ صرف اقرأ کہہ کر چپ نہ ہو جاتے، بلکہ اقرأ کہتے ہی نہیں یوں کہتے قل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اقرأ باسم ربک الذی خلق ....

دوسرے یہ کہ کسی ان پڑھ کے سامنے کتاب پڑھنے کے لئے پیش کی جائے تبھی وہ کہے گا کہ ما انا بقارئ (میں پڑھنے کی صلاحیت والا

Marfat.com

نہیں ہوں) صرف زبانی سنی ہوئی بات کو اپنی زبان سے دہرا دینے میں کیا دشواری تھی کہ حضرت جبریلؑ کو تین بار معانقہ کرنا پڑا۔ چار پانچ سال کے بچے کو مکتب میں بٹھانے کی رسم بہتوں نے دیکھی ہوگی۔ اس کے سامنے قرآنی آیات بولی جاتی ہیں اور وہ دُہراتا جاتا ہے۔ غرض سنے ہوئے جملوں کو محض دُہرانے کے لئے کہنے پر ما انا بقارئ کا جواب بے معنی ٹھہرتا ہے۔ اور دہرایا بھی تو تین بار معانقہ کے بعد، یہ اور بھی ناقابل فہم ہے۔ حضرت جبریلؑ آیت سناتے جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے اس کو دہراتے جاتے۔ اس کے لئے تین تین بار معانقہ کی کیا ضرورت تھی۔ پھر جو حضرت جبریلؑ پڑھتے، اسے سن کر اپنی زبان سے ادا کر دینے کے لئے اگر حضرت جبریلؑ نے اقراء کہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے، ماذا اقرء میں کیا پڑھوں؟

یہ گتھی نہایت آسانی سے سلجھ جاتی ہے۔ اگر دوسری کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، چنانچہ دوسری کتابوں میں یہ فقرہ بھی اس حدیث میں موجود ہے کہ حضرت جبریل جاء بکتاب فی نمط من دیباج، بعض میں ہے کہ جاء بنمط من دیباج فیہ کتاب، یعنی جبریل ایک ریشمی رومال میں ایک کتاب لائے تھے۔ (اس کا ذکر علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اپنی کتاب فتح الباری شرح بخاری کی کتاب التفسیر کے باب سورۂ اقراء باسم ربک الذی خلق میں کیا ہے) اور اس کتاب کو پیش کر کے حضرت جبریلؑ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اقراء (پڑھیے) اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب میں

Marfat.com

ما انا بقاری کی فرمانا صحیح ہوتا ہے ۔ میں پڑھنے والا نہیں ہوں ۔ تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتاب پیش کی گئی تھی مگر معانقہ جبریل کے بعد اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر دی ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا پڑھ دیا جتنا پڑھنے کے لئے کہا گیا اور وہ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات تھیں ۔

رہی بخاری میں مذکورہ اس روایت کی روایتی حیثیت تو اس پر تفصیل سے سیر حاصل بحث کا یہ موقع نہیں ۔ اس لئے یہاں مختصر طور پر صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ روایت صحیح بخاری کے باب کیف کان بدء الوحی میں مذکور ہے ۔ اور ابن شہاب زہری اس کی روایت عروۃ ابن زبیر سے کرتے ہیں ۔ اور عروۃ بن زبیر سے زہری کا سماع حدیث ثابت نہیں ہے ۔ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب ج۹ ص۴۵۰ میں لکھتے ہیں ۔ کہ :-

ولکن لا یثبت لہ السماع من عروۃ ۔ عروہ سے زہری کا سماع حدیث ثابت نہیں ہے ، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

غیر ان اھل الحدیث اتفقوا علی ذالک واتفاقھم علی الشئی تکون حجۃ ۔ یعنی سوا اس کے کہ اہل حدیث نے اس پر اتفاق کر لیا ہے ، اور اہل حدیث کا کسی بات پر اتفاق کر لینا سند ہے ۔ یعنی غیر ثابت بات پر بھی اگر محدثین اتفاق کر لیں تو وہ سند ہو جائے گی ۔ یہ ہے غلو بغیر الحق ۔ عروۃ بن زبیر کی وفات ۹۹ھ میں ہے اور ابن شہاب زہری نے ۱۰۲ھ سے جمع حدیث کا کام شروع کیا ہے اس لئے متقدمین نے تو لکھ دیا کہ عروۃ سے

Marfat.com

ابن شہاب کا سماع حدیث ثابت نہیں ہے۔ مگر متاخرین نے دیکھا کہ
بخاری و مسلم وغیرہ سب میں زہری کی روایتیں عروہ سے بلا واسطہ بہت ہیں
اس لئے متاخرین محدثین نے اس پر اتفاق کر لیا کہ عروہ سے ابن شہاب نے
ضرور حدیث سنی ہے۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ ایسی مرسل حدیثیں جو ابن شہاب
زہری روایت کریں ان کے متعلق اسی تہذیب التہذیب کی اسی جلد کے ص ۴۵۱
میں بمنزلۃ الریح (ہوائی) لکھا ہے۔ اور ابن شہاب کی عادت یہ بھی
تھی کہ حدیث میں اپنی طرف سے کچھ باتیں ملا کر روایت کر جاتے۔ کتاب
المعتصر من المختصر ج اول کتاب الحج ص ۱۲۵ میں ہے کہ :- کان الزهری
یخلط کلامه بالحدیث ولذلك قال موسیٰ بن عقبة افصل
کلام رسول الله صلی الله علیه وسلم من کلامك ولعله ضیع
ما جمع من احادیثه الزهری لذلك - یعنی زہری حدیث میں اپنا
کلام بھی ملا دیا کرتے تھے۔ اور اسی لئے موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے کہا تھا
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے اپنے کلام کو الگ رکھا کرو۔ اور شاید
اسی لئے جتنی حدیثیں انہوں نے زہری سے سنی تھیں، سب کو ضائع کر دیا
اور اسی لئے اسمٰعیلی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے کچھ
نہیں سنا۔ سنا تو بہت کچھ، جمع بھی کیا، مگر سب کو ضائع کر دیا۔ غرض ابن شہاب
سے مروی حدیثوں کو روایت و درایت کی کسوٹی پر جانچ لینا ضروری ہے
چاہے وہ بخاری و مسلم میں ہوں یا موطا میں۔ تو ایک تو ابن شہاب
زہری کی خلط ملط کی عادت، اس پر ایسے شخص سے ان کا روایت بلا واسطہ

Marfat.com

کرنا جس سے ان کا سماع حدیث ثابت نہیں۔ پھر ان کی مرسل روایت کا بمنزلہ الریح ہونا، تین تین خصوصیتیں بخاری کی اس روایت میں از روئے اصول روایت مانع قبول ہیں۔ لہذا محض بخاری میں اس روایت کا مذکور ہونا صحت کی ضمانت نہیں ہو سکتا۔

اب آگے بڑھئے۔ اسی روایت میں مذکور ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہ حرا سے نہایت خوف کے عالم میں گھبرائے ہوئے گھر آتے ہیں، اور آتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرماتے ہیں کہ زملونی زملونی (مجھ کو اڑھاؤ، مجھ کو اڑھاؤ) اور اپنی جان کے لئے خطرہ ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تسکین دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو عیسائی تھا، تورات و انجیل کا ماہر، عبرانی زبان کا ماہر، اور عربی زبان تو اس کی مادری زبان تھی۔ قریشی ہی تو تھا۔ اس کی تسلی و تسکین سے کسی قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوا۔ اور اسی ورقہ نے جبریل کا تعارف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا (خود جبریل نے اپنا تعارف مطلقاً نہیں کرایا تھا!) اور پھر روایت کے آخر میں ٹیپ کا یہ بند نہایت معنی خیز رکھا گیا کہ:- ثم لم ینشب ورقة ان توفی وفتر الوحی۔ یعنی، پھر ورقہ زیادہ دن زندہ نہ رہے اور وفات پا گئے۔ اور وحی موقوف ہو گئی، کیا سمجھے؟ غور کیجئے! ورقہ سے حضرت خدیجہؓ کی قرابت، پھر ورقہ تورات و انجیل کے ماہر، عبرانی زبان کے ماہر، قریشی خاندان کے .... کیا یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ ورقہ سے استفادہ کیا گیا ہو۔ اور کیا جاتا ہو، آخر ورقہ کے مرتے ہی وحی کیوں رک گئی؟

~~68848~~ 86395

Marfat.com

جب تک کسی دوسرے سے مدد گار کی تلاش رہی۔ جب دوسرا مل گیا تو پھر وحی آنے لگی۔ یہ روایت نہیں ہے، یہ دراصل سورہ نحل کی آیت ۱۰۳ کے کاٹ کے لئے ہے۔ مشرکین مکہ کے بارے میں مذکورہ سورہ کی مذکورہ آیت میں ہے۔ کہ:۔ ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین۔ یعنی، ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک شخص ان کو سکھاتا رہتا ہے، یہ لوگ جس کی طرف گمان کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف ستھری عربی زبان ہے۔ اس کے جواب کے لئے ورقہ خاص قریشی، تورات و انجیل اور زبان عبرانی کا ماہر تیار کیا گیا ہے۔ اور حضرت خدیجہؓ کا چچیرا بھائی بھی تھا۔ اس لئے تعلقات کا رشتہ بھی واضح کر دیا گیا اگر واقعی حضرت خدیجہؓ اپنے اس چچیرے بھائی قریشی خاندان کے فرد۔ تورات و انجیل اور عبرانی زبان کے ماہر (ورقہ بن نوفل) کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئی ہوتیں اور اس نے یہ سب کچھ کہا ہوتا اور اس کے انتقال کرتے ہی وحی موقوف ہو جاتی تو مشرکین مکہ اس سے ناواقف نہ ہوتے وہ کسی کے عجمی یہودی غلام کی طرف کیوں گمان کرتے، ورقہ ہی کے نام کو خوب اچھالتے اسی آیت کے کاٹ کے لئے ورقہ بن نوفل کی شخصیت سامنے لائی گئی اور آغاز وحی کی روایت بنا کر اس میں ورقہ کا حصہ جوڑا گیا اور آخر میں ٹیپ کا بند رکھا گیا کہ ورقہ کا ادھر انتقال ہوا اور ادھر وحی رک گئی۔ پھر جب ایک یہودی غلام مل گیا۔ تورات و انجیل کا ماہر تو اسکی امداد حاصل کی گئی اور پھر وحی آنے لگی فحوائے روایت کو گہری نظر سے دیکھئے۔ اس روایت کا خود ساختہ ہونا اور اسکے پس پردہ اس مقصد کا کارفرما ہونا سب کچھ عیاں ہوتا چلا جائیگا

Marfat.com

لہٰذا آغازِ وحی کے سلسلے میں صحیح صورت حال وہی بات بنتی ہے جس کا تذکرہ پہلے کیا گیا۔ یعنی

غارِ حرا میں حضرت جبریل آئے۔

آکر انھوں نے پہلے اپنا تعارف کرایا، پھر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین ایمان کی وحی زبانی (غیر متلو) کی۔

پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ سورہ فاتحہ کی وحی قرآنی پیش کی۔

پھر وہیں عملاً طریقۂ صلوٰۃ سکھایا۔

پھر اسی موقع پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات اس کتاب میں سے پڑھوائیں جو ایک ریشمی رومال میں لائے تھے۔

صلاحیت قرأت وکتابت :۔

سورۂ علق کی وہ پانچ آیتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب میں پڑھوائی گئیں، وہ یہ ہیں :۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقرأ وربك الاکرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم ○

بسم اللہ ہر سورۃ کے شروع میں حضرت جبریل لاتے رہے (سورہ توبہ کے سوا) مگر کسی سورۃ کا یہ جزو نہیں ہے۔ سورۂ فاتحہ کا بھی جزو نہیں۔ دوسری سورتوں کی طرح سورۂ فاتحہ کے شروع میں بھی یہ ایک جملہ مستانفہ ہے جو ہر سورت کے پہلے رکھا گیا ہے۔

اقراء جس کے حکم سے اس سورۃ کی ابتدا ہے اس حکم کی تعمیل

Marfat.com

کی صلاحیت آپ میں نہ تھی۔ حکم الٰہی کے مطابق حضرت جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار معانقہ کیا، اس طرح انھوں نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر اس حکم کی تعمیل فرمائی اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قاری یعنی پڑھنے کی صلاحیت والے ہو گئے اور یقیناً دوسرے پڑھنے والوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلاحیت زیادہ ہی ہوگی۔ کم نہ ہوگی، خصوصی تعلیم کو عام تعلیم سے بہتر ہی ہونا چاہیئے۔

چوتھی آیت ہے "الذی علم بالقلم" تمہارا رب بزرگ وہ ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ علم الانسان مالم یعلم اس انسان کو ان باتوں کی تعلیم فرمائی۔ جن کو وہ جانتا نہ تھا (بلکہ جان ہی نہیں سکتا تھا)

اگر الانسان پر الف لام عہد کا نہ مانا جائے جنس ہی کا مانا جائے اور نوع انسان مراد لی جائے جب بھی یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر دوسروں کو قلم کے ذریعے ایسی باتوں کی تعلیم فرمائی گئی جن کو وہ قلم کے ذریعے تعلیم حاصل کئے بغیر جان نہیں سکتے اور اپنے رسول ہی کو قلم کے ذریعے تعلیم نہیں فرمائی تو وہ باتیں جن کا علم بغیر تعلیم بالقلم کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان باتوں کے علم سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں محروم رکھا؟ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دوسروں سے زیادہ علم سکھانے کی ضرورت تھی۔ اس لیے یقیناً حضرت جبریل قلم بھی ساتھ لائے تھے۔ اور رق منشور (پھیلا کر خشک کی ہوئی جھلی جو کاغذ کی طرح لکھنے کے لئے بنائی جاتی تھی) اس کا ایک ورق بھی ساتھ لائے تھے۔ اور جو کچھ حضورؐ سے پڑھوایا تھا۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رق منشور پر لکھوا بھی لیا تھا۔ ورنہ یہاں قلم سے

Marfat.com

لکھوانے کا ذکر کیوں فرمایا گیا؟

ان پانچ آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے اپنے دو احسانوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلے تخلیق کا ذکر فرمایا جس کے ساتھ ربوبیت کا ذکر بھی ضروری تھا۔ کیوں کہ صرف تخلیق بغیر ربوبیت کے تو بے سود ہے۔ پیدا کر کے مخلوق کی پرورش و پرداخت اور اسے پروان چڑھائے بغیر تخلیق کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہو گا۔ اس احسان کے احسانمند جس طرح ساری مخلوقات ہے۔ رسول بھی ہیں۔ بلکہ سب مخلوقات سے زیادہ اس لئے کہ رسول کی تخلیق منصب نبوت و رسالت کے لئے ہوئی جو تخلیق کا اعلےٰ ترین مقصد ہے۔ خصوصاً یہ آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنکی تخلیق ہی رحمت للعٰلمین کی حیثیت سے ہوئی ہے۔ اور کافتہ للناس یعنی پورے عالم انسانیت کے لئے بشیر و نذیر بنانے کے لئے پیدا کئے گئے۔

دوسرا احسان تعلیم بالقلم، یہاں ذکر فرمایا گیا کیا یہ ممکن ہے کہ اس احسان میں رسول کا کچھ حصہ نہ ہو اور رسول ہی سے کہا جائے کہ پڑھو اور میرے اس احسان کو یاد کرو جو پورے بنی نوع انسان پہ ہم نے کیا ہے۔ مگر تم کو اس سے محروم رکھا ہے یہ بالکل غیر ممکن ہے۔ یقیناً جس طرح حضرت جبریل کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کتاب بھیج کر پڑھنے کی تعلیم آپ کو دی گئی اسی طرح قلم بھی بھیج کر قلم کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنے کی بھی ضرور تعلیم وحی جبریل کے ذریعہ اسی دن اسی وقت اسی کوہِ حرا پہ دی گئی۔

قرآنی شہادت :۔

میرے اس دعویٰ کی شہادت کسی روایت سے نہیں ملتی اور روایت

Marfat.com

سے جو استدلال میں نے کیا ہے۔ اہل انصاف و دیانت تو ضرور تسلیم کریں گے۔ مگر روایت پرست کبھی نہ مانیں گے۔ تو میں قرآن مبین کا بیان واضح اور صریح الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ وَ کفٰی باللہ شھیدا۔

اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:۔

وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذًا لارتاب المبطلون۔ (عنکبوت ع۴۸)

اور تم (اے رسول) اس (قرآن کے نزول) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے، اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے۔ (ورنہ) اس وقت یہ باطل پرست لوگ بہت شک شبہے پیش کرتے رہتے۔

بیشک آپ پہلے سے لکھے پڑھے نہ تھے۔ مگر بعثت کے وقت آپ کو لکھنے پڑھنے دونوں کی صلاحیت بدرجہ اتم عطا فرما دی گئیں۔ ورنہ اس آیت میں "من قبلہ" کا فقرہ نہ ہوتا۔ یہ "من قبلہ" صاف بتا رہا ہے کہ من بعدہٖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں ضرور لکھنے پڑھنے کی صلاحیت آگئی تھی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "النبی الامی اور بعث فی الامیین رسولاً" جو فرمایا گیا ہے۔ بالکل صحیح فرمایا گیا ہے۔ مگر عجمی منافقین نے من گھڑت روایات کے ذریعے اُمّی کے معنی "ان پڑھ" (لکھنے پڑھنے سے عاری) مشہور کیا ہے۔ قرآن مبین نے اس کو بھی بتا دیا ہے۔ کہ دو قومیں عرب میں تھیں۔ ایک تو اہل کتاب تھے جو کسی آسمانی کتاب سے اپنے دین کو منسوب کرتے تھے۔ دوسرے جن کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔

Marfat.com

ومنھم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی وان ھم الا یظنون۔ (بقرہ آیت ۷۸)

اور ان مخالفوں میں سے امی لوگ بھی ہیں جو کتاب و کتاب تو نہیں جانتے بجز دہمی امیدوں کے اور اٹکل پچو گمانوں کے اور کچھ نہیں جانتے اور اسی سے کام لیا کرتے ہیں۔

یعنی غیر اہل کتاب کو اُمی کہتے تھے۔ جو کچھ ماں، باپ سے سنا وہی ان کا دین تھا۔ مادر زاد دین پر تھے۔ اور ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے کو بھی امی کہتے تھے۔

آلِ عمران کی بیسویں آیت میں ہے۔

قل للذین اوتوا الکتاب والامیین... الآیۃ

اہل کتاب اور امیوں سے کہو، دو قومیں تھیں اس لئے فرمایا گیا کہ اہل کتاب اور امیوں سے کہو اگر غیر اہل کتاب جن سے مکہ آباد تھا۔ یہ سب ان پڑھ اور جاہل ہی تھے تو جاہلیت کے شعراء سو سو شعر کے قصائد لکھ لکھ کر خانہ کعبہ پر کس کے پڑھنے کے لئے آویزاں کرتے تھے۔ اور یہ شعراء جاہلیت بھی تو امیین ہی میں سے تھے اپنے اشعار کس طرح لکھتے تھے۔ یہی مشرکین مکہ جنگ بدر میں قید ہوئے تو ان کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ ہر قیدی مدینہ کے دس، دس لڑکوں کو کتابت سکھائے۔ اور جتنے چند جنہوں نے نقد فدیہ ادا کیا تھا ان کے سوا زیادہ قیدیوں نے دس دس مدنی لڑکوں کو کتابت سکھا کر رہائی حاصل کی تھی۔ پھر بھی سارے اہل مکہ اُمّی، ان پڑھ (لکھنے پڑھنے سے عاری) ہی مشہور کئے جاتے ہیں

Marfat.com

اہل مدینہ بھی لکھے پڑھے تھے۔

بعض کوتاہ نظر سیرت نگاروں نے لکھدیا ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں نے اہل مدینہ کو لکھنا پڑھنا سکھایا تو مدینے میں لکھے پڑھے لوگ تیار ہو گئے۔ یہ ان کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ مدینے میں ہجرت نبوی سے پہلے بہت لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ میں نے کتاب جمع قرآن میں متعدد اہل مدینہ کے نام لکھدیئے ہیں۔ جو ہجرت نبوی سے پہلے اسلام قبول کرنے سے قبل کے لکھے پڑھے تھے۔ مگر اہل مکہ و اہل مدینہ دونوں کی رسم خط میں کچھ اختلاف تھا۔ اگر اہل مدینہ سے کہا جاتا کہ تم اہل مکہ کی رسم خط اختیار کرو۔ تو یہ ان پر جبر ہوتا۔ اور دشوار بھی ہوتا۔ اور مکی قیدیوں نے جو دس دس مدنی لڑکوں کو کتابت کی تعلیم کر دی۔ تو ستر قیدی تھے۔ جن میں سے تقریباً بیس قیدیوں نے فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی تھی۔ پچاس قیدیوں نے دس دس مدنی لڑکوں کو کتابت سکھائی۔ یہ تخمینہ قیاسی ہے۔ اس میں کمی بیشی کا امکان ضرور ہے۔ غرض اس تخمین کو مان لیجئے۔ تو پانچ سو مدنی لڑکے مکی رسم الخط کے ماہر مدینے میں بآسانی تیار ہو گئے۔ اب اہل مکہ و اہل مدینہ کے مصاحف میں رسم خط کے اختلاف کے وقوع کا خطرہ باقی نہ رہا۔ یہ مصلحت تھی مکی قیدیوں سے مدنی لڑکوں کو کتابت کی تعلیم دلوانے کی۔ اور جو بعضوں کو زر فدیہ کی ہوس تھی ان کی بھی اصلاح مقصود تھی۔ انہی تعلیم پانے والوں میں حضرت زید بن ثابت رضؓ مشہور کاتب وحی بھی تھے۔ جن کو عبید بن سباق سے مروی جمع قرآن بعہد صدیقی ناقابل اعتبار روایت کی وجہ سے بہت اہم اور خاص کاتب وحی ہونے

Marfat.com

سمجھ رکھا ہے۔ لیکن چونکہ یہ بحث طویل بھی ہے۔ اور ہمارے اس وقت کے موضوع بحث سے براہِ راست تعلق بھی نہیں رکھتی۔ بلکہ ایک طرح خارج از موضوع ہے۔ اس لیے یہاں اس سے صرف نظر کر رہا ہوں۔ میں نے اپنی کتاب جمع قرآن میں اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

روایات کو پرکھنے کا معیار

حاصل کلام یہ ہے کہ سیرت نبوی اور سیر مہاجرین و انصار و عامہ صحابہؓ اور وقائع عہد نبوی کے متعلق خصوصاً اور وقائع عہد خلفائے راشدین و عہد صحابہ و اکابر تابعین کے لیے عموماً صدق و کذب معلوم کرنے کے لیے اور اصل حقیقت کا پتہ لگانے کے لیے صحیح ترمعیار درایت قرآنیہ ہے۔ کتب حدیث اور کتب سیر کی روایات "ولیکن قلم در کف دشمن است" کے مطابق بعض واہی رواۃ کے تصرفات سے ہرگز محفوظ نہیں۔ ایسی کتنی جھوٹی اور بالکل جھوٹی باتیں روایات کے ذریعہ کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن کو درایت قرآنیہ ہرگز قبول نہیں کرتی اور ایسی بھی بعض باتیں ہیں۔ جن کے وقوع کی شہادت قرآنی درایت دے رہی ہے۔ مگر اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی اس لیے

کرتا ہے رہبر پہ تمنا یقین کیوں نا داں! نوید دوست فریب عدو نہ ہو

روایات کو سوچ سمجھ کر قبول کرنا چاہیئے اور درایت قرآنیہ کا ہر موقع پر پتہ لگانا ضروری ہے۔ کیونکہ اصل حقیقت کا پتہ قرآنی درایت ہی سے مل سکتا ہے صرف روایت سے نہیں مل سکتا۔ مگر درایت قرآنیہ کا پتہ بھی خالی الذہن ہو کر غلو و تعصب سے پاک ہو کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ پہلے ہی سے کوئی رائے قائم

Marfat.com

کر کے درایت قرآنیہ کی تلاش سخت گمراہ کن ہے۔ ایسے مواقع تلاش حقیقت میں بازپرس قیامت کو پیش نظر رکھنا ہر مومن کا فرض ہے۔

درایت قرآنیہ:۔

اپنی خواہش نفس کی پیروی **وقتی** مصلحت بینی اور غیر اسلامی معاشرے کی وجہ سے جو دشواریاں فی الحال پیدا ہیں یا مخالفین کی ہٹ دھرمی کے اعتراضات کے باعث ان کے جواب دینے کے بجائے احکام صریحہ کی تاویلات کی تلاش وغیرہا اس قسم کی باتیں دراصل درایت قرآنیہ کی تلاش میں مستقل راہزن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب تک ایک ایسا شخص جو عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو۔ علوم ادبیہ صرف ونحو اور علم معانی و بیان سے پوری طرح واقف ہو۔ لغات و محاورات عرب سے آگاہ ہو اور بازپرس آخرت کا درحقیقت اس کے دل میں خوف ہو، وہ بھی بالکل خالی الذہن ہو کر جب تک کسی مسئلے کی درایت قرآنیہ کی تلاش نہ کرے گا۔ کبھی صحیح نتیجے پر نہیں پہونچ سکتا۔ ؎

ہے یہ وہ منزل کہ رہگیروں کو ملتا ہے جہاں ہر قدم پر ایک خندق ہر قدم پر اک کنواں

روایات و اخبار:۔

روایات سب کی سب جھوٹی نہیں اول درجے کا کذاب بھی کبھی سچ ضرور بولتا ہے۔ بعض دفعہ سچی بات میں بھی جھوٹ کی کس قدر آمیزش ہوتی ہے جس کا پتہ درایت قرآنیہ ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید میں حکم ہے:۔

ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا" (حجرات ع ۱)

Marfat.com

اگر کوئی فاسق شخص خبر لائے تو اس کی تحقیقات کرو

یہ نہیں فرمایا کہ جھوٹے ہی اس کو جھٹلا دو، اس کی بات نہ مانو، اس کی لائی ہوئی خبر کی پرواہ نہ کرو۔ یہ حکم تو دنیاوی امور، دشمن کے حملہ یا فرار یا صلح پر آمادگی وغیرہ باتوں کے متعلق ہے۔ یہاں دینی احکام کی خبریں ہیں اور وہ بھی رسول ؐ کے قول و فعل کے متعلق، انھیں بلا تحقیق ماننے سے انکار تو کفر ہے۔

لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔

اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند مت کرو۔

ایسی کتابوں میں جن کو ایک ہزار برس سے ہمارے بزرگان اسلاف معتمد علیہ سمجھتے چلے آرہے ہیں۔ اب اگر تحقیقات سے یہ پتہ لگ گیا ہے کہ یہ کتابیں جس حد تک معتمد علیہ سمجھی جاتی ہیں اس حد تک معتمد علیہ نہیں ہیں۔ تو اس کے یہ معنیٰ بھی نہیں کہ ساری کی ساری کتب حدیث و سیر بالکل ہی ناقابلِ اعتبار ہیں۔ جب بعض اقوال و افعال کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کتابوں میں ہو تو یہ ایک حیثیت سے صوت النبی ہی ہے۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اس بات کی تلاش کرے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری ہدایت اور نجات کے لیے کیا کچھ تعلیم دی ہے۔ اور کیا کچھ عمل کر کے دکھایا ہے پھر وہ اپنی صلاحیت کے مطابق خدا ترسی اور امانت و دیانت کے ساتھ یہ بھی تحقیق کرے کہ واقعی یہ قول یا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا نہیں؟ روایت صحیح ہے یا غلط۔ یہ حق تو کسی مسلمان کو حاصل نہیں کہ وہ تحقیق کی

Marfat.com

ضرورت ہی نہ سمجھے۔ اور سرے سے ان روایات کی پرواہی نہ کرے اسکے برخلاف اگر بغیر تحقیق کے یا تحقیق کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے (یا اپنی تحقیق کی رو سے) کسی (غلط) روایت کا اتباع کر لیا یہ سمجھتے ہوئے کہ یہی ارشاد نبوی قولاً یا عملاً ہے۔ تو وہ موردِ الزام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ وہ اتباع رسول کی نیت رکھتا ہے۔

مگر جو شخص بغیر تحقیق کے روایات کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور روایات کی مطلق پرواہ نہیں کرتا وہ درحقیقت رسولؐ کی رسالت کا منکر ہے۔ میری ایک رباعی ہے۔

چارہ نہیں ہر چند روایت کے بغیر — مانو نہ روایت کو درایت کے بغیر
تقلید ہے رات اور تحقیق ہے شمع — شب کو نہ چلو شمع ہدایت کے بغیر

ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید نہ کرنا اور امام بخاری و امام مسلم وغیرہ کو معصوم سمجھ لینا اور راویان حدیث کو جبرئیل امین قرار دے دینا تو بدترین تقلید ہے۔

میں امام ابوحنیفہ کی تقلید تو نہیں مگر اتباع کو روایات پر بغیر تحقیق کے عمل کرنے سے ہزار گونہ بہتر سمجھتا ہوں۔

صرف قرآن مجید

جو لوگ روایات اور فقہی مسائل سب کا مطلقاً انکار کر کے صرف قرآن مجید سے بطور خود مسائل نکالتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ عربی زبان اور صرف و نحو اور معانی و بیان سے اتنے بھی واقف نہیں جتنے مدارس اسلامیہ

Marfat.com

سے نصف حد تک تعلیم یافتہ طلبہ واقف ہیں۔ وہ دراصل قرآن مجید کا اتباع نہیں کرتے، اپنے منشا کا تابع قرآن مجید کو بناتے ہیں۔ انھوں نے روایات و فقہیات کا انکار اس لئے کیا ہے۔ کہ کسی طرح کی پابندی ان پر عائد نہ ہو اور آزادانہ جو مفہوم چاہیں قرآنی آیات سے کھینچ تان کر نکالتے رہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان کا ایمان قیامت پر اور قیامت کے دن کے محاسبۂ اعمال پر اور جزا و سزا پر واقعی ہے یا نہیں؟ میں دیکھتا ہوں کہ وہ الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً ۔ الکہف ۱۰۴ (دنیا میں ان کی ساری کوشش ضائع ہو رہی ہے۔ حالانکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں) کا مصداق ہیں۔ اور پورا پورا مصداق۔ ان کے سامنے مفاد دنیوی کے سوا مفادِ آخرت کبھی نہیں آتا۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں جو کچھ لکھتے ہیں صرف اپنے مفاد دنیوی کے لئے اور آخرت فراموشی کے الزام کے ڈر سے کبھی کبھی بے وزن الفاظ میں ادپری دل سے آخرت کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ درحقیقت آخرت پر ان کا صحیح معنوں میں ایمان ہی نہیں۔

اپنا تعارف:-

میں نے اس بات کو قدرے طویل اس لئے لکھا کہ اس سے مقصود اپنا تعارف بھی ہے۔ تاکہ مجھ کو ناظرین صحیح طور پر جان لیں کہ میں کیا ہوں۔

میں ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کو سب سے بہتر سمجھتا ہوں۔ جس مسئلے میں تحقیق کا موقع نہیں ملا ہے۔ اس میں ان کے مسلک کا اتباع کرتا ہوں۔ اتباع سبیل المومنین کو فرض عین سمجھتا ہوں۔

Marfat.com

سبیل المؤمنین ہی کا دوسرا نام "سنت" ہے۔

میں صحیح حدیثوں کو دین میں حجت سمجھتا ہوں۔ اور صحیح حدیثوں کی مخالفت کو بدترین گمراہی جانتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے اتنی صلاحیت دی ہے۔ کہ صحیح و غلط حدیث کو درایت قرآنیہ سے پرکھ لوں۔ عربی علوم ادبیہ سے بفضلہٖ تعالےٰ واقف ہوں۔ عربی نظم ونثر لکھنے کی قدرت اللہ تعالےٰ نے دی ہے۔ عربی صرف ونحو پر میری تصنیفین ہیں۔

غرض قرآن مجید کو سمجھ لینے کی صلاحیت اللہ تعالےٰ نے دی ہے۔ قیامت کی بازپرس سے بہت ڈرتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ میری اس تصنیف سے کوئی بھی خوش نہ ہوگا۔ ہر فرقے کو اس سے اختلاف کم و بیش ضرور ہوگا۔ مگر جو حق سمجھتا ہوں وہی لکھتا ہوں کوئی خوش ہو یا ناخوش مجھے کسی کی پرواہ نہیں اللہ تعالیٰ میری نیت خوب جانتا ہے۔ کہ میں عام مسلمانوں کو موجودہ گمراہ کن مدعیان رہبری (منکرین حدیث) کے فریب سے بچانے کے لئے یہ لکھ رہا ہوں۔ اس کے سوا میری کوئی غرض نہیں۔ وکفٰی باللہ شھیدا وھو ربی یعلم سری وعلانیتی۔

آمدم برسر مطلب :-

میرے سابق بیانات سے ناظرین اتنا ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ کوہ حرا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبریل علیہ السلام جب ملے تو سب سے پہلی وحی انہوں نے تلقین ایمان کی پیش کی۔ جو قرآنی آیت کی صورت میں نہ تھی۔ بلکہ غیر قرآنی وحی تھی۔ اس لئے کہ قرآنی وحی تو نبوت ملنے کے وقت ہی

Marfat.com

پیش کی جا سکتی رہتی۔ نبوت سے پہلے آپ کا مومن ہونا ضروری تھا۔ اس لیے تلقین ایمان کی وحی چونکہ آپ کو اول المومنین بنانے کے لیے تھی۔ اس کے بعد ہی آپ نبی ہو سکتے تھے۔ اسی لئے حضرت جبریل نے بحکم رب العلمین آپ کو تلقین ایمان کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا کرتے ہوئے پہلی وحی قرآنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی اور دوسری سورۂ فاتحہ کی ہوئی۔ جس کو عام وحی کے اعتبار سے دوسری اور تیسری وحی سمجھیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین ۔ ۔ ۔ ۔ کو اگرچہ اول وحی قرآنی عام محدثین و اہل سیر نہیں لکھتے ہیں۔ مگر بعض روایتیں اس کی تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہیں[۱] مگر روایتی ضعف سے نفس حدیث جو درایۃً صحیح ہو ضعیف نہیں ہو سکتی۔

چوتھی وحی قرآنی:-

سورۂ علق کی پہلی پانچ آیتوں کی ہوئی۔ اس وحی کی غرض آپؐ کو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت والا بنا دینا تھی۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

پانچویں وحی:-

بذریعہ غیر قرآنی وحی آپ کو تعلیم قرأت دی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بالفعل

---

[۱] علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اپنی کتاب فتح الباری شرح بخاری کی کتاب التفسیر کے باب سورۂ اقرأ باسم ربک الذی خلق میں لکھا ہے کہ ابو میسرہ کی روایت کی رو سے سب سے پہلے حضرت جبریل جو وحی قرآنی لائے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العلمین ۔ ۔ ۔ ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ھو مرسل و رجالہ ثقات (یہ روایت مرسل ہے، اگرچہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں) اگر راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود محض اس کا مرسل ہونا اسے ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے کافی ہے تو سورۂ علق کی ابتدائی آیتوں کی جو روایت زہری سے ہے، اس میں تو جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ مزید دو خامیاں بھی ہیں اسے ساقط الاعتبار کیوں نہیں کہا جا سکتا؟

Marfat.com

پڑھنے کی صلاحیت پیدا کردی۔

چھٹی وحی (غیر قرآنی)

بذریعہ قلم آپؐ میں لکھنے کی صلاحیت پیدا کردی۔ ان چھ وحیوں کا حال آپ کو معلوم ہو چکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّل المومنین ہو جانے کی نوعیت کو بھی آپ سمجھ گئے ہیں۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اول المسلمین ہونے کی کیفیت بھی معلوم کر لیجیے۔ جس کا شرف آپؐ کو چھٹی وحی کے ذریعہ اسی وقت اسی کوہ حرا پر ہوا تھا۔ پانچویں اور چھٹی وحی غیر قرآنی تعلیمی وحی تھی۔ جبریل کا معانقہ یا قلم کا ہاتھ میں دے دینا ظاہری اسباب تھے۔

ساتویں وحی:۔ (غیر قرآنی)

کے ذریعہ آپ کو نماز سکھائی گئی۔ سورہ فاتحہ کی وحی جب آپ کو ملی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ پڑھی تو اس میں اقرار کیا۔

ایاک نعبد وایاک نستعین۔ بیشک ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

ضرورت باقی رہ گئی تھی کہ اس اقرار زبانی کا عملی ثبوت کس طرح دیا جائے؟ یہ بھی آپ کو بتا دیا جائے۔ عبادت تبدل کرتا ہے۔ مگر اس کی ترجمانی اعضاء و جوارح کرتے ہیں، اور زبان کرتی ہے۔

حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو بھی تلقین ایمان کے بعد اقامت صلوٰۃ کا حکم ہوا تھا۔ تو ضرور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہوگا۔ جب تک طریقہ صلوٰۃ حضرت موسیٰ کو بھی بتایا نہ گیا ہو اقامت صلوٰۃ انہوں نے کس طرح کی

Marfat.com

ہوگی، اس لئے اسی طرح حضرت جبرئیل نے حضور علیہ السلام کو نماز پڑھنے کے طریقے کی وحی پیش کی۔ اور نماز پڑھنے کا طریقہ بتادیا۔ اور نماز پڑھ کر بھی دکھلادیا۔ اس کے بعد چوتھی وحی قرآنی پیش کی۔

آٹھویں وحی چوتھی وحی قرآنی

یہ آیت اتری:۔

اتل مااوحی الیک من الکتاب واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعون۔

اس کتاب سے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیا کرو اور (جو نماز ابھی سکھائی گئی ہے) اس نماز کی پابندی قائم رکھو۔ بلاشبہ نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے (انسان کو) روک دیتی ہے اور اللہ کا ذکر ضرور بہت بڑا تمہارا" ہے۔

اس آیت میں الکتاب پر الف لام عہد کا ہے۔ یعنی جو کتاب تمہارے سامنے پیش کی گئی۔ جس میں تمہیں پڑھوایا گیا اور جو ابھی تمہارے سامنے رکھی ہے اس کتاب سے جو وحی آپ کو ملی ہے۔ اس کی تلاوت کیا کرو۔ یہ کتاب کی قید اس لئے لگادی گئی کہ اس کتاب سے باہر بھی وحی اس وقت آپ کو ملی تھی جو سب سے پہلے تلقین ایمان کی وحی تھی۔ اور پھر کتاب پڑھوانے کے وقت کئی بار حضرت جبرئیل نے اقرأ اقرأ کہا۔ پھر کتابت سکھلانے کے وقت جو کچھ کہا پھر نماز پڑھنے کا طریقہ بتانے کے وقت جو کچھ حضرت جبرئیلؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

Marfat.com

اپنے لفظوں میں کہتے گئے وہ سب بھی بحکم رب العلمین تھے۔ اور وہ وحی ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر حضرت جبریل جو کتاب لاتے تھے۔ یعنی قرآن مجید اس کتاب سے نہ تھی۔ اس لئے ان کی تلاوت بھی ضروری نہ سمجھی جاتی۔ اس لئے یہاں "من الکتاب" کی قید لگادی۔ یہ قید اس کی دلیل ہے کہ بعض غیر قرآنی وحی بھی آپ کے پاس وہاں نازل ہوئی تھی اور نازل ہوتی رہتی تھی مگر وہ تابع ہوتی تھی قرآنی وحی کے، اس لئے اس کی حفاظت کا حکم نہ ہوا۔ اور نہ ان کو محفوظ رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ مفہوم کی حیثیت سے ان کا مفہوم قرآنی آیات میں موجود ہے۔ اور عمل کی حیثیت سے سبیل المومنین میں داخل تعامل ہے۔ اسی طرح اقم الصلوٰۃ کے حکم میں بھی الصلوٰۃ پر الف لام عہد ہی کا ہے۔ یعنی یہی نماز جس کا طریقہ تمہیں جبرئیل نے بتایا ہے اور خود پڑھ کر تمہیں دکھلادیا کہ اس طرح اس عبادت کو ادا کرنا چاہیئے۔ اسی صلوٰۃ کی پابندی قائم رکھو۔

کسی حکم کا فائدہ بھی اگر مامور کو بتادیا جائے کہ اس حکم کے بجالانے سے تمہیں یہ فائدہ ہوگا۔ تو فطرتاً مامور اس حکم کو پوری تندہی اور دلی رغبت کے ساتھ سرانجام دے گا۔ اسی لئے اس صلوٰۃ کا فائدہ بھی بتلا دیا گیا کہ نماز کی پابندی سے انسان بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے رکا رہتا ہے۔ نماز اس کو ایسی بری چیزوں سے روک دیتی ہے۔ کیونکہ بندہ جب پابندی کے ساتھ اپنے رب اور اپنے مالک کے حضور میں حاضری دیا کرتا ہے اور جانتا ہے کہ میری کوئی بات میرے مالک سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ دل کی بات بھی جانتا ہے۔ وہ ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔

Marfat.com

اور پھر مجھ کو بار بار اپنے سامنے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت اس نماز کے ذریعہ برابر دیتا رہتا ہے۔ ایسا بندہ جانتے بوجھتے کوئی بے حیائی کی بات یا کوئی ایسا کام جس کو وہ جانتا ہے کہ یہ میرے مالک کو ناپسند ہے کیسے کر سکتا ہے؟ اگر بھول چوک سے یا نفس شیطان سے مغلوب ہو کر کوئی گناہ کرے گا تو یقیناً اس کو اس کے بعد بڑا قلق ہوگا کہ اب کس منہ سے مالک کے سامنے حاضری دوں گا۔ قبل اس کے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو یقیناً رو دے گا، گڑگڑائے گا، توبہ کرے گا، دعائے مغفرت کرے گا اس کے بعد نماز کے لئے کھڑا ہوگا۔ اور پوری کوشش کرے گا کہ پھر اس سے کسی طرح کی نافرمانی نہ ہو۔

تو خفا ہے یہی احساس ہے اک سخت عذاب

تیرے مجرم کو سزا اس کی خطا دیتی ہے

اس کے بعد فرمایا گیا ہے۔ ولذکر اللہ اکبر، اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔ اس جملے میں تمیز محذوف ہے۔ سورۂ سجدہ آیت ۱۶ میں مومنین کی شان یہ بتائی گئی ہے۔

یدعون ربھم خوفاً وطمعاً۔

وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں، خوف کے وقت بھی اور امیدوں کے وقت بھی ڈرتے ہوئے بھی اور آس لگائے ہوئے بھی۔

اور سورہ اعراف آیت ۵۶ میں تو صاف حکم ہے۔

وادعوہ خوفاً وطمعاً۔

Marfat.com

اللہ تعالےٰ کو پکارو (اس سے) ڈرتے ہوئے بھی اور اس سے امیدیں لگائے ہوئے بھی۔

یہاں وہی خوفاً و طمعاً تمیز محذوف ہے۔ قرآن مجید میں، اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔ کہ اسم تفضیل کی تمیز محذوف کر دی گئی جو قرینے سے سمجھی جاتی ہے۔ جیسے الفتنۃ اشد من القتل یعنی اشد فساداً، نیز فرمایا ادفع بالتی ہی احسن۔ یعنی احسن مدافعۃً یا احسن تاثیراً (ان کے علاوہ بہت سی مثالیں ملیں گی۔) اسی طرح یہاں بھی خوفاً و طمعاً تمیز محذوف ہے حضرت جبریل نے نماز کے ہر رکن کی ابتدا جو اللہ اکبر سے بتائی اس کا ماخذ یہی آیت ہے اللہ اکبر یعنی اللہ اکبر خوفاً و طمعاً۔

آج سے تقریباً ۴۵ برس قبل میں نے ایک کتاب نماز کے متعلق لکھی تھی اس میں اللہ اکبر کے معنیٰ غیر عربی دانوں کو بتائے، سب سے بڑا سہارا (دنیا و آخرت میں دین کے لئے) اللہ تعالےٰ ہے۔ تو امیدیں ہی ہونی چاہئیں۔ خوف تو اس سے نہیں بلکہ اس کی نافرمانی سے ہے کہ اس کی نافرمانی مجھ سے کہیں نہ ہو جائے۔ صرف اس کا ڈر ہے۔ پھر اگر نافرمانی ہو بھی جائے تو اس کی رحمت سے اس کی مغفرت کی امیدیں رہیں اور توبہ استغفار ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ اکبر کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اللہ اصغر بھی ہے حد درجے کا جاہل ہے۔ عربی زبان کی ہوا بھی اس کو نہیں لگی ہے۔ فسبح باسم ربک الاعلیٰ، وہ پڑھتا ہے تو اس سے کسی رب ادنیٰ کا خیال کیوں نہیں کرتا۔ اقرأ باسم ربک الاکرم

Marfat.com

پڑھتا ہے۔ تو کیا اسکے مقابل کوئی دوسرا رب کریم بھی ٹھہراتا ہے اور رب کریم اور رب اکرم دو رب مانتا ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ تو کیا (نعوذ باللہ) کوئی اللہ اجہل بھی ہے اس طرح کی جاہلانہ منطق کی زد تو ساری صفات الٰہی پر پڑتی ہے یعنی ہر صفت کی ضد پیش کر کے کہا جا سکتا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اللہ ایسا بھی ہے۔ مثلاً اللہ خالق کے بارے میں ایسے شخص کو کہنا چاہئے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اللہ مخلوق بھی ہے بلکہ ہر اس خبر کے بارے میں اسی طرح کی منطق جاری ہو سکتی ہے جس خبر کا مبتدا لفظ اللہ ہے۔

غرض یہ سب سے پہلی آیت ہے جو نماز کے متعلق اتری مگر نماز کے متعلق یہ حکم تھا اور نماز پڑھنے کا طریقہ حضرت جبریل سے معلوم ہو چکا تھا تو اب تعمیل حکم میں دیر کیوں کی جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو قبل اسکے کہ آپ تحریمہ باندھیں حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی وحی اپنے لفظوں میں پہونچائی یعنی غیر قرآنی وحی پیش کی کہ رخ بیت المقدس کیطرف کر کے نماز پڑھیے۔ اسکو قبلہ بنایئے تو حضرت جبریل کی بتائی ہوئی سمت کی طرف رخ کر کے آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی یہ نویں وحی اور پانچویں غیر قرآنی وحی ہوئی۔ اس کے بعد ایک اور غیر قرآنی وحی حضرت جبرئیلؑ نے سنائی۔ جو قطعی نہیں مگر اس کا غالب گمان ضرور ہے۔

کوہ حرا پر چلتے چلاتے آخری دسویں وحی :۔

جب آپؐ خلعت نبوت و رسالت سے سرفراز ہو چکے تو آپؐ حضرت جبریلؑ کے اپنے کام سے فارغ ہو کر حضور علیہ السلام سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو گمان غالب یہ ہے کہ یہ وحی بھی حضرت جبریلؑ نے رب العالمین عزوجل

Marfat.com

کی طرف سے ضرور پیش کر دی ہوگی۔ کہ ان واقعات اور ان وحیوں میں سے کسی چیز کو بھی صیغۂ راز میں نہ رکھا جائے۔ اپنے گھر پہونچ کر گھر کے سب لوگوں کو مطلع کر دیا جائے۔ اور وہ لوگ بھی ان باتوں کو صیغۂ راز میں نہ رکھیں اگر گھر کے لوگوں سے سنکر باہر کا کوئی آدمی آکر حالات پوچھے تو بغیر کسی جھجک کے پورے حالات بیان کر دینا اور اپنی نبوت و رسالت سے ہر پوچھنے والے کو مطلع کر دینا اور نماز کی پابندی کو قائم رکھنا یہ وحی بھی ضرور ہوئی ہوگی۔

تلک عشرۃ کاملۃ

غرض، کوہ حرا پر یہ دس وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ حضرت جبرئیلؑ اتریں جن میں سے چار وحی قرآنی ہیں اور چھ غیر قرآنی۔

میں نے جو کچھ لکھا ہے درایت قرآنیہ سے لکھا ہے اور مجھ کو یہ یقین ہے کہ جو کچھ لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔ وکفیٰ باللہ شھیدا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم۔

اگر میں نے کوئی بات غلط لکھی ہے تو وہ میری خطا اجتہادی ہوگی...، اللہ تعالےٰ علیم بذات الصدور ہے اور غفار الذنوب ہے۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطاءنا۔

ماخذ

حرا والی وحی کے عشرہ کاملہ افراد جو میں نے پیش کئے ہیں یہ سورۂ نجم کی آیت فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (تو اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنی تھی، کی) کی ایک تفسیر ہے۔ جو درایت قرآنیہ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

بعض کی نشاندہی تو میں نے کر دی ہے۔ جیسے تلقین ایمان والی سب سے پہلی وحی جو یقیناً صحیح ہے۔ اسی طرح اس کے بعد پہلی قرآنی وحی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ نبوت کی بسم اللہ تھی دوسری قرآنی وحی سورۂ فاتحہ کی، سورۂ فاتحہ کا نام اس کا مضمون اس کی آیتوں کی معنوی ترتیب یہ سب اس کی مقتضی ہیں کہ یہ پہلی وحی قرآنی ہو۔ بسملہ سے تو نبوت کا افتتاح ہوا۔ نبوت کے مل جانے کے بعد پہلی وحی سورۂ فاتحہ کی ہوئی اس سے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ بسملہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔ بسم اللہ اپنی ایک مستقل حیثیت خود رکھتی ہے۔ سورۂ توبہ کے سوا ہر سورۃ کے شروع میں ہے۔ مگر کسی سورۃ کا جز نہیں ہے۔ سورۂ نمل کی تیسویں آیت پڑھیے۔ درمیان سورۃ میں ایک دوسری خاص حیثیت سے بسم اللہ آگئی ہے مگر ابتداء سورۃ میں کسی سورت کا جز نہیں ہے۔ سورۂ فاتحہ کی بھی جز نہیں ہے۔ اسی لیے جہری قرأت والی نمازوں میں بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا اور جہری قرأت الحمد للہ رب العٰلمین سے شروع کرنا ہی سبیل المومنین کے مطابق سنت ثابتہ ہے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ علق کی پہلی پانچ ابتدائی آیتوں کا نزول، تعلیم قرأت تعلیم آداب اور تعلیم کتابت کی ضرورت کے تحت ہوا۔ اللہ تعالےٰ کا رسول ان پڑھ نہیں رہ سکتا کہ جو وحی وہ دوسروں سے لکھوائے۔ اس کی اس کو خبر نہ ہو کہ جو میں نے لکھوایا وہی لکھا گیا یا لکھنے والے نے سہواً یا عمداً کچھ اور لکھ دیا۔ آپؐ جن صحیفوں میں نازل شدہ آیات و سورہ لکھواتے تھے ان صحیفوں میں برابر تلاوت بھی فرماتے تھے۔ ارشاد ہے۔

Marfat.com

رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطہرۃ۔ (بینہ ۳)

اللہ کے رسول پاکیزہ صحیفے تلاوت کرتے ہیں۔

پانچویں اور چھٹی وحی تعلیم قراءت و کتابت کی تھی، تو قرأت کی صلاحیت پیدا کر دینے کا ثبوت تو روایت سے بھی ملتا ہے۔ جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے یعنی جاء بنمط من دیباج فیہ کتابہ وقال اقرأ۔

ریشم کا ایک کپڑا حضرت جبرئیل لائے اس میں ایک نوشتہ ورق تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر فرمایا پڑھیئے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا بقاریٔ بار بار فرمایا، پھر معانقہ جبرئیل کے بعد پڑھ دیا۔ اس سے میں ثابت کر چکا ہوں اور پھر علم بالقلم سے کتابت کی تعلیم اور قراۃ و کتابت دونوں کا ثبوت مندرجہ ذیل آیت سے پیش کر چکا ہوں۔

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک۔ (عنکبوت ۴۸)

آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔

ساتویں وحی غیر قرآنی، طریقۂ صلوٰۃ کی تعلیم کی اور آٹھویں وحی قرآنی حکم صلوٰۃ کی ان دونوں سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آٹھویں وحی تو قرآنی ہے اس سے انکار تو کفر ہے۔

Marfat.com

ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ :-

باقی یہ کہنا کہ "سورۃ عنکبوت جو باعتبار ترتیب نزول پچاسیویں[85] سورۃ ہے مکی آخری سورتوں میں سے ہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ میں صرف مطففین ہی اتری تھی۔ بعثت سے تقریباً دس بارہ برس بعد جو سورۃ اتری تھی۔ اس کی ایک آیت اس قدر قبل کہ عین بعثت کے وقت بعثت احمد کے مقام پر اتری ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

اگر یہ اعتراض وہ لوگ کرتے جو بیچارے "روایت پرست" کہے جاتے ہیں۔ تو ہم سمجھتے کہ یہ اپنی روایتوں کے آگے مجبور ہیں۔ باوجود اس کے کہ قرآنی سورۃ و آیات کا مکی یا مدنی ہونا شاذ و نادر ہی مرفوع حدیثوں سے ثابت کیا جا سکے۔ تابعین و اتباع تابعین بلکہ ان کے بھی بعد والے علماء مفسرین کے قیاسات کی بنیاد پر بہت سی مکی و مدنی سورتوں کی تعیین کی گئی ہے اور زمانہ نزول اور ترتیب نزول بتانے میں بھی اکثر محض قیاس سے مفسرین نے کام لیا ہے۔

مگر وہ زمانہ روایات کی گرم بازاری کا تھا۔ کئی لوگ اپنے قیاسات کے نتائج کو کسی صحابی کی طرف منسوب کر کے اس کی روایت کرتے رہتے تھے۔ اس لئے ایک صحابی سے بعض مسائل میں متخالف اقوال مذکور ہیں اور بعض اقوال تو صریحتہً خلاف عقل ہوتے تھے مگر روایات کی گرم بازاری تھی۔ اس لئے لوگ اپنی کتابوں میں لکھ لیتے تھے۔

مثلاً اتقان فی علوم القرآن جلد اول ص۱۰ مطبوعہ مطبع حجازی قاہرہ

Marfat.com

میں ملاحظہ فرمائیے۔

اول آیۃ نزلت فی الاطعمۃ بمکۃ آیۃ الانعام، قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرما الآیۃ ثم آیۃ النحل فکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا الی آخرھا۔

وبالمدینۃ آیۃ البقرۃ انما حرم علیکم المیتۃ الآیۃ ثم آیۃ المائدۃ حرمت علیکم المیتۃ قالہ ابن حصار

کھانے کی چیزوں کے متعلق سب سے پہلی آیت جو مکہ مکرمہ میں اتری سورۂ انعام والی آیت قل لا اجد فیما اوحی الی محرما الخ ہے۔ اس کے بعد (مکہ ہی میں) سورۂ نحل کی آیت دکلو مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً الخ اس کے بعد مدینہ میں سورۂ بقر کی آیت اتری انما حرم علیکم المیتۃ الآیۃ اس کے بعد سورۂ مائدہ کی آیت (مدینہ میں) اتری حرمت علیکم المیتۃ الخ یہ ابن حصار کا قول ہے۔

ابن حصار نے صرف سورتوں کی ترتیب نزول کو پیش نظر رکھا۔ اور آیتوں کی ترتیب نزول کو معنی و مفہوم کے ذریعے سمجھنے کی مطلق کوشش نہیں کی۔ آیتوں کی ترتیب نزول کو بالکل الٹ دیا۔ اول کو آخر اور آخر کو اول بنا دیا۔

پھر اسی کتاب کے ص۱۹ میں ہے۔

وفی البرھان لامام الحرمین ان قولہ تعالیٰ قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً الآیۃ من آخر ما نزل وتعقبہ ابن الحصار بان السورۃ مکیۃ بالاتفاق ولم یرد نقل بتاخیر ھذہ

Marfat.com

الآیۃ عن نزول السورۃ بل ھی فی محاجتہ المشرکین و مخاصمتھم وھم بمکۃ۔

امام الحرمین اپنی کتاب برہان میں لکھتے ہیں کہ قل لا اجد فیما اوحی الی الآیۃ (جو سورۂ انعام مکی کی آیت ہے) یہ آخری آیت ہے۔ کھانے کی چیزوں کے بارے میں تو ابن حصار نے ان پر اعتراض کیا ہے کہ سورۂ انعام بالاتفاق مکی سورۃ ہے اور کوئی روایت ایسی منقول نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ آیت اپنی سورۃ سے بہت بعد نازل ہوئی۔ بلکہ یہ آیت مشرکین مکہ سے حجت و بحث اور مناظرہ کے سلسلے میں اتری تھی۔ اور وہ جھگڑنے والے مکہ ہی میں تھے۔

اب میں ابن حصار کے خلاف عقل قول پر ماتم کروں یا اس قول کو علامہ جلال الدین سیوطی کے بلا تکلف اور بغیر تنقید کے نقل کر دینے پر کہ انہوں نے خود آیتوں کے مفہوم پر مطلق غور کیوں نہ کیا۔

اب سورۃ انعام کی پوری آیت کو آپ خود سامنے رکھ کر اس کے الفاظ اور مفہوم پر غور کیجیے کہ یہ واقعی سب سے پہلی آیت ہو سکتی ہے یا سب سے آخری؟

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہ۔

(ترجمہ از ابوالکلام آزاد مرحوم) اے پیغمبر تم کہدو جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے

Marfat.com

میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا کہ کھانے والے پر اس کا کھانا حرام ہو الاّ یہ کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ یہ چیزیں بلاشبہ گندگی ہیں یا پھر جو چیز موجب معصیت ہو کہ غیر خدا کا نام اس پر پکارا گیا ہو تو بلاشبہ وہ بھی حرام ہے

(عربی جاننے والے ہر ہر لفظ کے ترجمے پر نگاہ ڈالیں)

مولانا مودودی صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ یہ ترجمہ لکھتے ہیں :-

"(اے محمدؐ) ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے۔ اس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو الاّ یہ کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔"

متاخرین چونکہ اگلے مترجمین کے ترجمے سامنے رکھ کر خود ضرور اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اگلوں سے زیادہ صحیح اور فصیح و واضح ترجمہ کیا جائے اس لئے میں نے دو متاخر علمائے وقت کے ترجمے نقل کر دیئے ایک تو مرحوم ہوگئے غفر اللہ لی ولہ (یعنی ابو الکلام آزاد مرحوم)

دوسرے بفضلہ تعالےٰ زندہ ہیں سلمہٗ اللہ تعالےٰ

ان دونوں ترجموں کے متعلق بھی مجھے کچھ لکھنا ہے مگر وہ بعد کو لکھوں گا ابھی الفقان سے نبٹ لیجئے۔ ابن حصار قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً الآیۃ کو کھانے کی چیزوں کے متعلق مکہ میں اترنے والی سب سے پہلی آیت قرار دے رہے ہیں۔

علامہ ابوالکلام مرحوم کے ترجمے میں آپ نے پڑھا "تم کہہ دو جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے۔ میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا الا . . . . ." مولانا مودودی سلمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:" ان سے کہہ دو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو الا یہ کہ . . . . ."

یہ دونوں ترجمے اور جس کا بھی آپ ترجمہ دیکھیں گے ہر ترجمہ ضرور ببانگ دہل اس کا اعلان کرے گا اور یہ دونوں ترجمے بھی اعلان کر رہے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے کھانے کی چیزوں میں کون کونسی چیزیں مسلمانوں پر حرام کی گئی ہیں۔ اس کے بیان کی آیتیں ضرور اتر چکی ہیں۔ اس لئے امام الحرمین نے جو اپنی کتاب میں اس آیت کو جن چیزوں کا کھانا حرام ہے، ان چیزوں کے بیان کی آخری آیت لکھا ہے۔ بہت صحیح لکھا ہے۔

ابن حصار نے اصل میں یہ دیکھا اور ان کے ساتھ جلال الدین سیوطی نے بھی کہ یہ آیت سورۃ انعام مکی سورۃ کی ہے اور دوسری آیتیں مدنی سورۃ کی ہیں اس لئے انہوں نے غور و فکر سے کام لئے بغیر یہ فیصلہ کر ڈالا کہ مکی سورۃ کی آیت کو مدنی سورتوں کی آیتوں سے پہلے اترنے والی ہی سمجھنا ہوگا۔ چاہے آیت خود چیخ چیخ کر کہے کہ سورۃ مکی ہوا کرے میں مدنی ہوں۔

علامہ سیوطی تو اپنی اسی اتقان کی اسی جلد میں بہت سی مدنی آیتیں مکی سورتوں میں اور مکی آیتیں مدنی سورتوں میں داخل ہونے کا ذکر اور ان آیتوں کی نشاندہی کر چکے ہیں۔ اس لئے اگر سورۃ انعام کی یہ آیت دیکھ کر کے مدینے میں اتری ہو تو اس میں کونسی قباحت ہے۔ خصوصاً جب

Marfat.com

الانقان جلد اول ص۱۵ میں خود سورۃ انعام کی بعض آیتوں کے متعلق لکھا ہے کہ فلاں فلاں آیتیں مدینے میں اتری تھیں۔ باقی رہا کسی روایت کا نہ ہونا تو (مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید) آیت تو خود پکار پکار کہہ رہی ہے کہ میرا نزول اس مضمون کی دوسری سب آیات کے بعد ہوا ہے۔

آیت کے مذکورہ ترجموں میں غلطی

آیت مذکورہ کے ترجمے میں ایک غلطی ہوئی ہے۔ اگر دوسری آیتوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جاتا۔ تو ترجمہ غلط نہ کیا جاتا۔ لفظی اعتبار سے بھی دونوں ترجمے غلط ہیں۔ مولانا مودودی نے علامہ ابوالکلام آزاد کے بعد ترجمہ لکھا ہے۔ اس لیے سنبھلنے کی کوشش کی ہے، مگر سنبھل نہ سکے۔

سب آیتوں کو یکجا کر کے غور کرنے سے صاف پتہ چل جاتا ہے۔ بات یہ تھی کہ مومنین سے فرمایا گیا تھا کہ احلت لکم بھیمۃ الانعام الا ما یتلی علیکم الآیۃ۔ تمہارے لیے چرند، چارپائے حلال کیے گئے۔ بجز اس کے جو تمہیں بتلائے جاتے ہیں۔ یعنی مردار، خون، سور کا گوشت (معہ تمام اجزا کے) اور جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح ہوا ہو۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ "طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم" کہ اہل کتاب کا طعام تمہارے لئے حلال ہے بجز ان چار چیزوں کے۔ اور اہل کتاب (یہودی و نصاریٰ) ان دونوں کے درمیان خود حلال و حرام میں اختلاف ہے تو جو چیزیں ایک کے یہاں حرام ہیں اور دوسرے کے یہاں حلال، ان چیزوں کے متعلق

Marfat.com

مومنین کیا کریں گے؟ اس سوال کا جواب بتا دیا گیا ہے کہ :-

قل لا اجد[1] فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ الایہ یطعمہ صفت ہے طاعم کی۔ ترجمہ بالکل صاف ہے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو کسی کھانے پر حرام ہو اور وہ اس کو کھا رہا ہو۔ بجز ان چار چیزوں کے یعنی یہودیوں یا نصاریٰ ان کے لئے بھی بھیمۃ الانعام ہی حلال ہیں۔ اور یہ چار چیزیں ان پر بھی حرام تھیں۔ مگر ان میں سے ایک فریق ان حرام چیزوں کو کھا رہا ہے تو جب وہ ان چار چیزوں میں سے کوئی چیز کھائے گا تو ہم اس کے ساتھ نہیں کھائیں گے۔ ان چار چیزوں کے علاوہ جو چیز وہ کھائیں گے ہم کھا سکتے ہیں۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے درمیان حلال و حرام کا جو فرق ہے وہ یہود کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے باقی ہے۔ بعض چیزیں یہود کی شورہ پشتی کی وجہ سے تعزیراً ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ ذالک جزینا ھم ببغیھم (یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی) حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ یہودیوں

---

[1] لا اجد متعدی بدو مفعول۔ شیئاً مفعول اول محذوف ہے محرماً مفعول دوم ہے۔ علیٰ طاعم کا تعلق محرماً سے ہے اور یطعمہ طاعم کی صفت ہے۔ جس کی ضمیر مفعولی اسی شیئاً مفعول اول محذوف کی طرف پھرتی ہے یہ آیت جواب ہے۔ ایک اعتراض کا۔ مومنین کو حرام و حلال بتانے کے لئے نہیں اتری ہے۔ سب سے پہلی آیت سورہ مائدہ والی حرمت علیکم المیتۃ سے شروع ہوتی ہے مخالفین نے اعتراض کیا کہ یہ لوگ جس کو خود مار ڈالتے ہیں اس کو حلال سمجھتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

سے وہ تعزیری احکام اٹھا لیے جائیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں سے اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ:-

و لاحل لکم بعض الذی حرم علیکم۔

اور میں اس لیے آیا ہوں کہ بعض چیزیں جو تم پر تعزیراً حرام کر دی گئی تھیں اب ان کو تمہارے لئے حلال کر دوں۔ (آل عمران ع۵)

یہ بیان کر کے ان کا جواب دے دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تعزیری احکام یہود پر عائد فرمائے تھے ان کو تو اٹھانے اور منسوخ کرنے کے لیے حضرت عیسیٰؑ کو بھیج ہی دیا تھا۔ مگر یہود حضرتِ عیسیٰؑ پر ایمان نہ لائے اور اپنے پر وہ تعزیری احکام باقی رکھے رہیں تو ہم ان کی اس حماقت میں ان کا ساتھ کیوں دیں گے۔

بحث تو یہاں تشریعی یعنی حلال و حرام میں ہے۔ جو حقیقی حلال و حرام ہے۔ تعزیری حکم تو مجرمین ہی پر رہے گا۔ جو مجرم نہ ہو وہ کیوں ان کی تعزیر میں شرکت کرے گا۔

مارا ہے یعنی مردار اس کو حرام سمجھتے ہیں۔ تو سورۂ بقر والی آیت حصر کے ساتھ آئی انما حرم علیکم فرمایا گیا۔ جس میں صفت کا واضح قصر ہے۔ موصوف پر یعنی حرمت کا قصر ہے۔ اشیائے اربعہ پر سب آیتوں کو ملا کر غور نہیں کیا گیا۔ چونکہ ان اشیائے اربعہ کی حرمت میں مشرکین نے تذبذب پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس لئے یہاں حصر کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی ورنہ پہلے کہا جا چکا تھا۔ حرمت علیکم المیتۃ۔ پھر دوبارہ حصر کے ساتھ کہنے کی کیا ضرورت پڑی؟ لوگوں کے تذبذب کو مٹانے کے لیے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ میں جو حلت و حرمت کا اختلاف بطور اعتراض پیش کیا گیا تو اس کا جواب بتایا گیا۔ قل لا اجد فیما اوحی الی محرما یعنی شیئا محرما علیٰ طاعم یطعمہ سب متعلقہ آیات کو یکجا کر کے غور کیجئے بات واضح ہو جائیگی

Marfat.com

غرض متعلقہ آیات کو ملا کر دیکھنے سے مضمون بھی واضح ہو جاتا ہے اور آیت کا ترجمہ بھی درست ہو جاتا ہے۔

عود الیٰ المقصود :-

بات سے بات پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک نئی بحث بیچ میں آگئی۔ اس بحث کا اصل مقصد یہ ہے۔ کہ بہت سی مکی سورتوں میں مدنی آیتیں اور مدنی سورتوں میں مکی آیتیں نظر آتی ہیں۔ اور پھر سورتوں کی ترتیب نزول تو بہت بعد والوں نے محض قیاسات سے قائم کی ہے۔ جس کو خود علماء نے اپنی تفسیروں میں لکھدیا ہے۔

اتقان میں مکی و مدنی کے فرق اور ترتیب و تقدیم اور تاخیر نزول کے ذکر میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔

قال القاضی ابوبکر فی الانتصار" الاقوال لیس فیھا شیئ مرفوع الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکل قالہ بضرب من الاجتھاد وغلبۃ الظن۔

یعنی قاضی ابوبکر نے اپنی کتاب الانتصار میں لکھا ہے کہ یہ جتنے اقوال ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کی سند رسول اللہ صلعم تک پہونچتی ہو۔ ہر ایک نے جو کہا ہے اپنے اجتہاد اور گمان غالب سے کہا ہے۔

اس کے بعد احتمالات لکھے ہیں کہ ممکن ہے کہ راوی نے اس سے سنا ہو جس نے ٹھیک وفات نبوی ہی کے دن حضور علیہ السلام سے سنا ہو یا کچھ پہلے وغیرہ ذالک من الاوہام ——— آیت

Marfat.com

(اتل ما اوحی الایۃ) سورہ عنکبوت کی ہے۔ اس لئے ہم یہاں بحث سورہ عنکبوت سے بھی کرتے ہیں تو دیکھئے مولانا مودودی سلمہٗ اللہ یہاں اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد سوم ص۶۷۲ میں سورہ عنکبوت کا تعارف کراتے ہوئے اس سورۃ کے زمانہ نزول کے متعلق تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

زمانہ نزول:۔

آیات ۵۶ تا ۶۰ سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ سورہ ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی۔ باقی مضامین کی اندرونی شہادت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ پس منظر میں اسی زمانے کے حالات جھلکتے نظر آتے ہیں بعض مفسرین نے صرف اس دلیل کی بنا پر کہ اس میں منافقین کا ذکر آیا ہے اور نفاق کا ظہور مدینے میں ہوا ہے۔ یہ قیاس قائم کر لیا کہ اس سورت کی ابتدائی دس آیات مدنی ہیں۔ اور باقی سورت مکی ہے حالانکہ یہاں جن لوگوں کے نفاق کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو کفار کے ظلم و ستم اور شدید جسمانی اذیتوں کے ڈر سے منافقانہ روش اختیار کر رہے تھے اور ظاہر ہے کہ اس نوعیت کا نفاق مکہ ہی میں ہو سکتا تھا۔ نہ کہ مدینے میں۔ اسی طرح بعض دوسرے مفسرین نے یہ دیکھ کر کہ اس سورت میں مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسے مکہ کی آخری نازل شدہ سورت قرار دیا ہے۔ حالانکہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مسلمان حبشہ کی طرف بھی ہجرت کر چکے تھے۔ یہ تمام قیاسات دراصل کسی روایت پر مبنی نہیں ہیں۔ بلکہ صرف مضامین کی اندرونی شہادت پر ان

Marfat.com

کی بناء رکھی گئی ہے۔ اور یہ اندرونی شہادت اگر پوری سورۃ کے مضامین پر بحیثیت مجموعی نگاہ ڈالی جائے تو مکہ کے آخری دور کی نہیں بلکہ اس دورِ کے حالات کی نشاندہی کرتی ہے۔ جس میں ہجرت حبشہ واقع ہوئی تھی"۔

مولانا مودودی نے جو کچھ لکھا ہے۔ بہت صحیح لکھا ہے۔ فللہ درّہ ثم للہ درّہ۔

ہجرت حبشہ ماہ رجب ۵ھ نبوی میں ہوئی تھی اور سورۂ عنکبوت ہجرت حبشہ سے بہت پہلے اتری تھی۔ بلکہ مجھ کو تو تقریباً یقین ہے کہ نبوت کے پہلے ہی سال یہ سورت اگر پوری نہیں تو اس کی کچھ آیتیں ضرور اتر گئی تھیں۔ خصوصاً آٹھویں آیت۔ ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا الآیۃ

کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بعثت کے کچھ ہی دنوں کے بعد ایمان لائے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے ایمان لانے کے دوسرے ہی دن انہی کی ترغیب و تبلیغ سے۔ خود حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ یہ آیت میرے ہی متعلق اتری تھی۔ جس کی روایت صحیح مسلم۔ جامع ترمذی سنن ابی داؤد و نسائی ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں موجود ہے اور ترمذی نے اس کو حدیث "حسن" "صحیح" لکھا ہے۔ اسی طرح اس سے پہلے کی آیتیں چند السابقون الاولون کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

علامہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم اپنی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن ج ۷ ص ۱۴۱ میں لکھتے ہیں:۔

Marfat.com

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن لوگوں نے عام طور پر ظاہر کیا وہ ابوبکرؓ تھے۔ اور عمار بن یاسرؓ اور ان کی ماں حضرت سمیہ اور صہیبؓ اور بلالؓ اور مقدادؓ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت ظاہری ابوطالب کرتے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ کا قبیلہ ان کا حامی تھا۔ باقی حضرت عمارؓ اور ان کی والدہ ماجدہ اور حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت مقدادؓ ان بے چاروں کا کوئی حامی نہ تھا۔ یہ لوگ طرح طرح سے ستائے جانے لگے۔ ان میں حضرت بلالؓ تو ہر طرح ثابت قدم رہے حضرت سمیہ شہید ہی ہو گئیں۔ باقی نے بیچارے اذیت پر اذیت سے تنگ آکر کبھی جو کچھ لوگ ان سے کہلوانا چاہتے مجبوراً کہہ دیتے تھے تو کچھ دیر کے لئے نجات ملجاتی تھی۔ اسی سلسلے میں ولقد فتنا الذین من قبلھم الآیۃ اتری تھی۔ کہ اگلی امتوں کے ایمان کی بھی اسی طرح آزمائش ہوئی تھی۔" الخ

مختصر یہ کہ سورۂ عنکبوت بہت ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے بعض آیتیں بہت قبل کی ہوں۔ بعض ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے کی بعضے کچھ بعد کی ممکن ہے تو اسی سورہ کی آیت زیر بحث (اتل ما اوحی الیک) کا کوہ حرا پر اترنا کیوں ناممکن سمجھا جائے گا۔

Marfat.com

جو لوگ عام طور سے روایات کو دین میں حجت سمجھتے ہیں وہ بھی آیات وسورۃ کے مکی ومدنی ہونے کے فرق کو اور ترتیب نزول کے محض قیاسی وظنی نمبروں کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ مگر حیرت ہے ان لوگوں پر جو صحیح سے صحیح حدیث کو بھی دین میں حجت نہیں سمجھتے۔ چہ وہ سو برس کے پوری امت کے بلا اختلاف تعامل متواتر کی مطلق پرواہ نہیں کرتے، مگر اپنی بات رکھنے کے لیے کوئی سہارا انہیں مل سکا تو "شیخ محمد دین اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور" کے ہاں کا مطبوعہ قرآن کے شروع میں جو ترتیب نزول کے مطابق سورتوں پر نمبر لگائے ہیں اسی کا سہارا لے کر حقائق ثابتہ۔ جو قرآنی آیت سے ثابت کیے گئے ہیں ان کو جھٹلانے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ڈوبنے سے بچا نہیں سکتا۔ ان کی یہ ہٹ دھرمی دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور لے ڈوبے گی۔

دیانت دار ناظرین ترتیب نزول کے نمبروں سے دھوکا نہ کھائیں۔ اس لیے دکھا دیا کہ سورہ عنکبوت جو بالکل ابتدائی سورت ہے یقیناً بعثت نبوی ہی کے سال اگر پوری سورت نہیں تو اس کی متعدد آیتیں ضرور اتر گئیں تھیں اور باقی بھی ۵ سنہ نبوی سے پہلے اتر چکی تھیں۔ اس کو نمبر لگانے والوں نے قلتِ تدبر کی وجہ سے مکی سورتوں میں سے بالکل آخری سورت قرار دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اس کے بعد صرف ایک ہی سورۃ مطففین اتری تھی۔ پھر علوم القرآن والے تو خود لکھ رہے ہیں کہ مکی سورتوں میں مدنی اور مدنی سورتوں میں مکی آیات ہیں۔ پہلے اتری ہوئی بعض آیتیں بعد کی سورتوں میں

Marfat.com

اور بعد کی اتری ہوئی بعض آیات پہلی سورت میں بھی ہیں ۔ تو پھر یہ کہنا کہ "یہ آیت فلاں سورت میں ہے اور وہ بہت بعد کو اتری ہے اس لئے اس آیت سے استدلال غلط ہے" بددیانتی ہے یا تاریخ القرآن سے ناواقفیت جہلا ہی ایسا کر سکتے ہیں ۔ دیکھنا چاہیئے اصل استدلال کو ۔ مدعی جس آیت سے جو استدلال کر رہا ہے وہ آیت کے سیاق و سباق استدلال پیش کرنے والے کے دعویٰ کو ثابت کر رہے ہیں یا نہیں ؟ اور مدعی اس آیت کے علاوہ بھی کوئی دلیل اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کر رہا ہے یا نہیں اگر آیت خود مدعی کے دعویٰ کو ثابت کر رہی ہے تو پھر کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں ۔ اور اگر کچھ قرائن بھی مدعی کے دعویٰ کی تائید کرتے ہیں تو اس کے بعد بھی صرف ترتیب نزول کے ظنی و وہمی نمبروں پر کان لگا کر مفہوم آیت و قرائن ثابتہ سب کا انکار کر دینا تو کھلی ہوئی بددیانتی ہے

اصل مختلف فیہ مسئلہ :۔

اصل مابہ الاختلاف تو یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوہ حرا پر آئے اور اللہ تعالےٰ نے "فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ" کے مطابق بذریعہ جبریل جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی وہ صرف ایک وحی تھی یا متعدد ۔ ؟

سیاق و سباق اس جملہ کا صاف بتلا رہا ہے اور قرینہ واضحہ قرآنیہ بھی دلالت کر رہا ہے ۔ کہ متعدد وحی ہوئیں ۔ قرآن مبین خود بیان فرما رہا ہے ۔ کہ آپؐ ایمان کی حقیقت سے ناواقف تھے ۔ جیسا کہ میں

Marfat.com

نے اوپر لکھا ہے (سورۃ شوریٰ کی آیت ۵۲ پیش کر کے) تو کیا یہ ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت ایمان سے آگاہ کئے بغیر آپ کو نبوت کا منصب دے دیا جاتا؟

سب سے پہلے تلقین ایمان کی وحی کا اترنا ضروری تھا اور اس وحی کا غیر قرآنی ہونا بھی ضروری تھا۔ کما مر تو وہ اصل مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف قرآنی ہی وحی آئی یا غیر قرآنی وحی بھی آئی؟ اگر صرف قرآنی ہی وحی آئی تھی تو وہ کونسی آیت سب سے پہلے کوہِ حرا پر اتری تھی جس میں پہلے آپ کو ایمان کی حقیقت سے آگاہ فرمایا گیا تھا اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت و رسالت عطا ہوا تھا۔ کوئی ایسی آیت تلقین ایمان کی جس کے مخاطب خاص طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں پیش نہیں کی جا سکتی۔ تو ماننا پڑے گا کہ تلقین ایمان ہی کی وحی پہلے پہل حضورؐ کے سامنے اللہ تعالےٰ کی وحی کی حیثیت سے حضرت جبریل نے اپنے الفاظ میں پیش کی تھی اور اس وحی کا غیر قرآنی ہونا ہی ضروری تھا۔ کیونکہ کتابی وحی غیر نبی پر نہیں آسکتی۔ اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومن نہ ہو لیتے آپؐ نبی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے پہلے تلقین ایمان کی غیر قرآنی وحی ہی آپ کے پاس بھیجنی ضروری تھی۔ جب تلقین ایمان ہو چکی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوّل المومنین ہو چکے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت عطا ہوا اور پہلی قرآنی وحی بسم اللہ الرحمن الرحیم کی حضرت جبریل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی اور دوسری قرآنی وحی سورۃ فاتحہ کی پیش کی جو اُمّ الکتاب

Marfat.com

اور پورے قرآن مجید کا مقدمہ اور دیباچہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت سے ان دونوں قرآنی دیبوں کے ذریعے مشرف ہو گئے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

پھر ایاک نعبد کے اقرار کے بعد ضروری تھا کہ عبادت کے طریقے کی بھی تعلیم اسی وقت ہو جائے۔ کیونکہ جس بات کا صحیح مفہوم اقرار کرنے والے کو معلوم نہ ہو وہ اس بات کا اقرار کس طرح کرے گا؟ اور جس طرح حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو منصب نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ اقم الصلوٰۃ لذکری کا حکم ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی وقت ہوا۔ اور جب نماز کا حکم ہوا تو ناممکن ہے کہ نماز کا حکم ہو اور اس کا طریقہ نہ بتا دیا جائے۔ میں تو یہی سمجھا ہوں کہ یہی سورۃ عنکبوت والی آیت جس سے قرآن مجید کا اکیسواں پارہ شروع ہوتا ہے۔ یہی آیت حکم نماز کی پہلے پہل اتری۔ جس میں کسی وقت کی تعیین نہیں کی گئی ہے[ط]۔ اور جس کے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مخاطب تھے۔ کوئی دوسری آیت اس

ط۔ یہ سمجھنا درست نہیں کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالےٰ پر فطری ایمان تھا اس لئے آپ کو تلقین ایمان کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اللہ پر فطری ایمان ہو گا مگر فرشتوں پر کتب الٰہیہ پر، اگلے رسولوں پر اور قیامت پر ایمان کی تفصیل کا علم نہ ہو گا اور اسی لئے قرآن مجید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد الٰہی ہے کہ وما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان (تم تو جانتے بھی نہ تھے کہ کتاب اللہ کیسی ہوتی ہے بلکہ ایمان کی حقیقت سے بھی ناواقف تھے) اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت بخشنے

مسلسل

Marfat.com

وقت کے مناسب حال اس کے سوا پیش نہیں کی جا سکتی اس لئے اسی آیت کو پہلی آیت حکم نماز کی ماننا پڑے گا۔ پھر نماز پڑھنے کا طریقہ بتلانے والی کوئی آیت ایسی نہیں پیش کی جا سکتی جس میں جملہ ارکان نماز مع ہیئت ارکان و اذکار ارکان بتائے گئے ہوں۔ جب آپ کوئی ایسی آیت پیش نہیں کر سکتے اور اس وقت تو ابھی صرف بسم اللہ اور سورہ فاتحہ ہی اتری تھی سورہ علق کی پانچ ابتدائی آیتوں کی مشہور روایت کو بھی لے لیجئے تو ان پانچ آیتوں کی تصریف کیا ہو گی اور ان کی تصریف سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ارکان قیام و رکوع و سجود اور ان کے اذکار کس طرح تصنیف فرما سکتے تھے۔ ان آیتوں میں تو قیام رکوع و سجود کا ذکر تک نہیں ہے۔ بلکہ صلوٰۃ کا بھی لفظ کہیں نہیں آیا ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ وحی غیر قرآنی کے ذریعے بذریعہ حضرت جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے ارکان و ہیئات ارکان و اذکار

سے پہلے ایمان کی تلقین صرور فرمائی گئی ہو گی۔ جیسا کہ سورہ طٰہٰ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ کو پہلے ایمان کی تلقین کی گئی پھر اسی وقت حضرت موسیٰ کو اقم الصلوٰۃ کا حکم ہوا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے بذریعہ جبریل تلقین ایمان کی وحی غیر متلو ملی پھر سورہ فاتحہ کی وحی قرآنی کیونکہ ایاک نعبد کے اقرار کے عملی ثبوت کی تعلیم دینے کیلئے نماز کے طریقہ کی تعلیم فرمائی گئی۔ اور جسطرح حضرت موسیٰ سے فرمایا گیا تھا اسی طرح انہی لفظوں میں اقم الصلوٰۃ کا حرای میں حکم ہوا۔ اور یہ حکم بغیر تعیین وقت کے تھا یعنی چوبیس گھنٹوں میں صرف ایکبار نماز فرض ہو گئی جس وقت موقع ہو پڑھ لی جائے پھر تعیین وقت کا جب دوبارہ آیا تو یہی اقم الصلوٰۃ کا فقرہ اوقات کے ذکر کیساتھ فرمایا گیا۔ اقم الصلوٰۃ طرفی النہار و زلفا من اللیل

Marfat.com

ارکان کی اللہ تعالےٰ نے تعلیم فرمائی۔

پھر نماز میں سمت قبلہ بسوئے بیت المقدس کی وحی بھی غیر قرآنی ہی۔ اسی وقت بذریعہ جبریلؑ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ سیقول السفہاء من الناس ما ولّٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا الایۃ عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے کہ جس قبلے کی طرف یہ لوگ نماز پڑھتے چلے آرہے تھے اس سے کس بات نے ان کا رخ پھیر دیا یہ آیت تو صاف بتا رہی ہے کہ تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں اور سترہ مہینے تک مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے تھے تو کس کے حکم سے ان دنوں تک بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنائے رکھا تھا۔ کون سی آیت اتری تھی۔؟ جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے اتنی مدت نماز پڑھتے رہے۔ آپ کوئی آیت پیش نہیں کر سکتے۔ تو ماننا پڑے گا کہ سمت بیت المقدس کو قبلہ بنانے کی وحی

(نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں کے وقت اور رات کی گھڑیوں میں) اور اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر۔ (نماز قائم کرو آفتاب کے ہر دو کنارے کے وقت، رات کی تاریکی تک الخ غرض، اقم الصلوٰۃ کے مطلق جملے سے جب کسی نبی کو حکم فرمایا گیا تو اس سے مراد غیر معینہ مدت شبانہ یوم میں صرف ایک بار نماز کا حکم ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پہل جب یہ حکم ہوا تو بغیر تعیین وقت کے ہوا ہے اور عین بعثت کے وقت ہوا ہے۔ اس کے بعد جب کبھی اس فقرہ اقم الصلوٰۃ سے حکم ہوا ہے تو اوقات کی تعیین کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ نکتہ یاد رہے۔

Marfat.com

بھی اسی کوہ حرا پر غیر قرآنی ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ جبریلؑ ملی تھی۔ طریقہ نماز کی تعلیم کے ساتھ سمت قبلہ بھی بیک وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کوہ حرا پر بتائی گئی تھی۔ وحی غیر قرآنی سے بالکل انکار کی مطلق گنجائش نہیں۔ اگر آپ کچھ کہہ سکتے ہیں تو بس اسی قدر کہ زمانہ بعثت کے قبل و بعد مصلحتاً وحی غیر قرآنی بھیجی گئی۔

Marfat.com

کوہِ حرا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی اور اقامۃ الصلوٰۃ کا ایمان افروز مبارک دور

اے کہ بر آستان تو سجدہ کائنات تو — ہست نوید زندگی حی علی الصلوٰۃ تو

نماز کا پہلا دَورِ مُبارک

کوہ حرا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس آئے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنی زوجۂ مطہرہ سے پورا حال کوہ حرا کا بیان فرمایا۔ حضور علیہ السلام عام طور پر صادق اور امین مشہور رہتے۔ گھر کے سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق سے دوسروں سے زیادہ واقف تھے۔ وہ فوراً ایمان لے آئیں۔ آپؐ کی دو صاجبزادیاں بالغ شادی شدہ تھیں۔ بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت ابو العاص بن الربیعؓ کی زوجہ تھیں۔ منجھلی حضرت رقیہؓ حضرت عثمان بن عفانؓ کی حرم محترم تھیں۔ یہ دونوں بھی ایمان لے آئیں۔

حضرت زید بن حارثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّیٰ تھے۔ اس لئے اس وقت زید بن محمدؐ ہی عام طور سے کہے جاتے تھے۔ وہ عاقل بالغ تھے وہ بھی ایمان لے آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر تحقیقی طور پر اس وقت پانچ برس کی تھی ہاں شیعہ رُوات نے بالاختلاف آٹھ دس اور بارہ برس کی عمر روایت کی ہے آپ

Marfat.com

دماغ تو تاب نہ کر سکے مگر ان شعور والا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت علیؓ کا نام گرامی بھی ہے حضرت ابوبکرؓ جو بچپن اور جوانی سے برابر حضور صلعم کے مخلص اور جانثار دوست تھے وہ بھی ایمان لے آئے۔ یوں عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ، بالغ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ، غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ، بچوں میں سے حضرت علیؓ ایمان لائے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

گھر آنے کے بعد دن کو بھی اور رات کو بھی جس وقت جذبۂ بندگی کا ولولہ اٹھتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔ دوسروں کے بارے میں نماز کی تعلیم و ترغیب کا ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسرے کو نماز کا حکم نہیں دیا۔ اور گھر کے لوگوں نے بھی یہی خیال کیا کہ شاید یہ حکم نبی کی ذات کے لیے مخصوص ہو۔ اس لیے گھر ہی پہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند دنوں تک تنہا نماز پڑھتے رہے۔ گھر پر دو ایک دن پڑھنے کے بعد خانہ کعبہ کے پاس بھی بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کو جانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کو صیغۂ راز میں نہیں رکھا تھا اور گھر کے لوگوں سے بھی کہہ دیا تھا کہ اس کو صیغۂ راز میں نہ رکھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار چچا اور بہت سے چچیرے بھائی اس وقت جوان جوان موجود تھے۔ ان سب کو خبر ہو گئی۔ یقیناً سب نے آ کر حال پوچھا ہوگا۔ جب ہی تو ان میں سے ابولہب جو پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا نبوت کا حال سن کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا حال معلوم کر لینے کے بعد سخت مخالف ہو گیا۔ باقی تین چچا۔ ابوطالب، حضرت حمزہؓ

Marfat.com

اور حضرت عباسؓ یہ تینوں گو اس وقت ایمان نہیں لائے۔ مگر مخالف بھی نہیں ہوئے۔ قرابت کی محبت باقی رکھی۔

غرض آپؐ کے دعویٰ نبوت کی خبر مکہ کے محلوں میں کافی طور پر پھیل گئی تھی۔ جس نے سنا وہ دوسروں سے کہنے لگا۔ ایک بالکل نئی بات تھی۔ خصوصاً اہل مکہ کے لئے۔ مگر بت پرستی اور متعدد معبودوں کی پرستش چھوڑ کر صرف ایک رب العلمین کو معبود سمجھنا اور آباؤ اجداد کے مذہب کو برا اور گمراہ کن سمجھنا یہ ساری باتیں عام لوگوں کو مخالف بنا دینے کے لئے کافی تھیں۔ تو ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالفانہ چرچا شروع ہو گیا۔ مگر ان میں بعض سخت ترین مخالف تھے۔ جن میں ایک ابوجہل بھی تھا۔ اس نے خانہ کعبہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ تو سخت برہم ہوا۔

ط۔ ایک بار کا واقعہ اہل سیر لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار خانہ کعبہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے۔ حرم شریف میں مشرکین قریش کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی ادائوں کو دیکھ رہی تھی۔ اور سب باہم مضحکہ کر رہے تھے۔ ابوجہل کو یاد آگیا کہ قریب ہی میں اونٹ ذبح ہوا ہے۔ اس کی اوجھڑی پڑی ہے۔ دوڑ کر وہاں سے اوجھڑی اٹھا لایا۔ حضورؐ سجدے میں تھے۔ اس ملعون نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر اوجھڑی رکھدی اور پھر سب قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر خبر پہنچا دی تو آپ کی صاحبزادیوں میں سے حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ نے آکر اس اوجھڑی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک سے نیچے گرا دیا۔ اور ان مشرکین کو لعنت ملامت کی۔ بعض لوگوں نے حضرت فاطمہؓ کا نام لکھا ہے مگر یہ اس وقت بہت کم سن تھیں۔ اونٹ کی اوجھڑی جیسی وزنی چیز اٹھانا ان کے بس سے باہر تھا

مسلسل

Marfat.com

اور بڑی سختی سے[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکا۔ تو سورہ علق کی باقی آیتیں اتریں جن میں ابوجہل کی اس شرارت کا ذکر کیا گیا ہے۔

ارءیت الذی ینھی ۰ عبدا اذا صلی ۰

کیا تم نے اس کو بھی دیکھا جو ایک بندے کو روکتا ہے۔ جب وہ نماز پڑھنے لگے۔

غور کیجیے! اگر کوہ حرا پر سورہ عنکبوت والی آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں اتری تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اقم الصلوٰۃ کا وہاں حکم نہیں ہوا تھا اور حضرت جبریل کی وساطت سے غیر قرآنی وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا طریقہ کوہ حرا ہی پر نہیں بتایا گیا تھا؟ تو وہاں سے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر اور گھر سے باہر نکل کر کعبہ کے سامنے وہ نماز کیسے پڑھنے لگے تھے جو قرآن کی زبان اور اسلام کی اصطلاح میں صلوٰۃ کہلاتی ہے؟ جو روکنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک رہا تھا۔؟

---

[1] برہمی کی بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور مشرکین مکہ کو یہودیوں سے تعصب کی وجہ سے بیت المقدس سے بھی تعصب تھا۔ کعبہ مکرمہ کی طرف رخ ہوتا تو اس میں ان کے بت رکھے ہوئے تھے۔ وہ سمجھ سکتے تھے کہ ان کے قیام و رکوع و سجود تو ہمارے بتوں ہی کی طرف رخ کر کے ہیں۔

بقیہ حاشیہ ۶۶۔ وہ ادھر ادھر کو کسک بھی نہیں سکتی تھیں۔ عموماً اہل تاریخ و سیر چونکہ شیعہ تھے اس لئے رسول اللہ صلعم کی صاحبزادیوں میں سے ہر موقعہ پر صرف حضرت فاطمہؓ ہی کا ذکر کرتے ہیں اور دوسری صاحبزادیوں کا ذکر ہی نہیں کرتے اور بعض تو صرف حضرت فاطمہؓ ہی کو رسول اللہ صلعم

مسلسل

نماز کے دُوسرے دَور کی صبح صادق

اللہ تعالےٰ عالم الغیب ہے۔ اپنے بندوں اور ان کی فطرت کا خالق بھی وہی ہے۔ اس نے خود نماز کے بارے میں فرمایا ہے۔

وَاِنّھَا لکبیرۃ اِلّا علی الخاشِعِین۔

نماز انسان کے نفس پہ بہت گراں ہوتی ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ گرویدگی رکھنے والے ہیں ان پہ گراں نہیں ہوتی۔

اور دلوں میں گرویدگی اور کیفیت خشوع پیدا ہونے ہونے ہوتی ہے۔

بقیہ حاشیہ ص۶۸۔ کی صاحبزادی کہتے ہیں اور باقی تینوں کو حضرت خدیجہؓ کے پہلے خاوند کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ حالانکہ شیعہ سنی سب کی حدیث کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں کا ذکر موجود ہے۔ قرآن مجید میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے" قل لازواجک وبناتک۔ بصیغہ جمع فرمایا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیاں بعثت سے قبل کی تھیں۔ اور

مسلسل

Marfat.com

پھر اللہ تعالےٰ کو یہ بھی معلوم تھا کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو اور خود رسول کو کس کس طرح ستائیں گے۔ علانیہ نماز پڑھنے کا موقع مومنین کو برسوں تک نہیں ملے گا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے رسول اللہ پر نماز فرض کی۔ پھر رسول کے اہل وعیال پر، پھر جو لوگ ایمان لاتے گئے ان پر۔

پہلے نماز کے لئے کوئی وقت معین نہیں فرمایا گیا اور نہ کسی طرح کی پابندی عائد کی گئی رات دن میں ایک ہی بار کوئی پڑھے کوئی مضائقہ نہیں ایک بار دن کو ایک بار رات کو پڑھے یا کئی بار پڑھے۔ مالک کے ساتھ جس بندے کی گرویدگی جتنی بار مالک کے سامنے لا کھڑا کرے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت بندی کرکے پڑھیں یہ جس کو جہاں اور جب موقع مل جائے پڑھے غرض کسی طرح کی پابندی شروع میں مومنین پر عائد نہیں کی گئی۔ رفتہ رفتہ پابندیاں بڑھائی گئیں۔ وقت کی پابندی بھی رفتہ رفتہ بڑھی۔ نمازوں کی تعداد بھی آہستہ آہستہ بڑھی۔

لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔

اللہ تعالےٰ کسی کو اس کی قوت برداشت سے زیادہ (ذمہ داری کی) تکلیف نہیں دیتا۔

بقیہ حاشیہ ص۶۹۔ حضرت فاطمہؓ بعثت کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ اگر ایسا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک سے اوجھڑی ہٹانے میں حضرت فاطمہؓ کا نام کیوں لیتے ہیں۔ اوجھڑی والا واقعہ تو بعثت ہی کے سال کا ہے۔ غرض اس فرقہ کی بنیاد ہی غلط بیانی، اختراع اور ناحق غلو اور بلاوجہ تعصب پر ہے۔ دو چار افراد کے سوا جملہ قرابتداران نبوی اور صحابہ کرام سے

مسلسل

Marfat.com

حکم نماز کی دوسری آیت :-

پہلی آیت تو کوہِ حرا پر آچکی تھی۔ جس میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو نماز کا حکم ہوا تھا۔ اب دوسری آیت اتری جو بعثت کے بعد گھر پر اتر نے والی پہلی آیت نماز کے متعلق تھی۔

وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا (طٰہٰ ۱۳۲)

اے نبی تم اپنے خاص لوگوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی نماز کی پابندی میں ثابت قدم رہو۔

"اہل" کا لفظ اگر کسی ایک مرد کی طرف مضاف ہو تو عموماً اس سے اس کی بیوی مراد ہوتی ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے

اذ رأ نارًا فقال لاھلہ امکثوا انی انست نارًا (طٰہٰ ۱۰)

حضرت موسیٰ نے آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے کہا کہ ٹھہرو! میں آگ کی سن گن پا رہا ہوں۔

بقیہ حاشیہ ص۷۰ - بغض دشمن دیمان کے مذہب کا دار و مدار ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر محبت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ اولاد اطہار سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب نسبی و صہری رشتہ داروں سے محبت ہونی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی نواسی حضرت زینبؓ کی بیٹی حضرت امامہؓ جن سے حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کی وصیت کے مطابق نکاح کر لیا تھا۔ ان کا نام بھی یہ لوگ نہیں لیتے حضرت امامہؓ کے بھائی حضرت زینبؓ کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے اور بڑے نواسے حضرت علی زینبی کا کہیں بھولے سے بھی کوئی ذکر نہیں کرتا، فتح مکہ کے دن

Marfat.com

اور اگر بیت کے لفظ کے ساتھ ، یعنی اہل البیت کہا گیا ہو تو اس وقت یقیناً بیوی ہی مراد ہوتی ہے ۔ جیسے سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ میں خاص ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل البیت کہہ کر مخاطب فرمایا گیا ۔ اور سورۃ ہود کی آیت نمبر ۷۳ میں خاص حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کی بیوی کو اہل البیت کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے ۔ مگر محاورۂ عرب کے مطابق اہل کے لفظ یا اہلبیت کے لفظ سے کسی کی بیویاں یا صرف ایک بیوی بھی مراد ہو ۔ جب بھی اس کی طرف ضمیر جمع مذکر ہی کی پھرے گی ۔ مونث کی ضمیر نہیں پھرے گی ۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے واقعہ سے متعلق مذکورہ آیت میں " امکثوا " کا لفظ ہے کہ یہ " اہل موسیٰ " کے لئے لایا گیا ہے ۔ اور یہاں اہل سے مراد یقینی طور پر حضرت موسیٰ کی بیوی ہیں ۔ جو ایک ہی تھیں ۔ اس کے باوجود امکثوا کا صیغہ جمع مذکر لایا گیا ہے ، اور اس کی مثال اردو میں بھی موجود ہے ۔ کہ " محل " کا لفظ بیوی کے معنی میں بھی مستعمل ہے مگر بہر حال مذکر ہی بولا جاتا ہے ۔ فلاں کا پہلا محل ، دوسرا محل ہی کہیں گے بیوی مراد لینے کی وجہ سے پہلی محل دوسری محل نہیں بولتے ۔ مگر یہاں (اہلہ میں) تو صرف اہل کا لفظ آیا ہے اور صرف اہل کے لفظ سے بیوی کے ساتھ اولاد بھی اور گھر میں ساتھ رہنے والے سب کے سب بھی مراد لئے جاتے ہیں ۔ مگر گھر کے باہر اہل قرابت ، اہل جوار

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱ ۔ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سواری پر پیچھے بیٹھے مدینے سے مکہ پہنچے تھے اور انہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشِ مبارک پر چڑھا کر کعبہ کی دیواروں سے لگے ہوئے بتوں کو گرایا تھا یہ حضور کے بڑے نواسے علی زینبی تھے ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ساتھ یہ واقعہ غلط مشہور کیا گیا ہے ایک جوان آدمی کو دوشِ مبارک پر چڑھانا قرین قیاس بھی نہیں ہے ۔

Marfat.com

اہل خاندان یہاں تک کہ دوست احباب، حمایتی سب مراد لئے جاسکتے ہیں
زوجین کے درمیان اگر جھگڑا ہو تو حکم ہے۔

فابعثوا حکماً من اھلہ وحکما من اھلھا سورہ نساء ۳۵)

یعنی ایک حکم مرد کے حمایتیوں میں سے اور ایک حکم عورت کے
حمایتوں میں سے کھڑا کر کے دونوں کا جھگڑا چکا لو۔

صرف قرابتمند ہونا ضروری نہیں۔ زن و شو دونوں اگر ایک ہی دادا
کے پوتے اور پوتی ہوں۔ تو قرابتمند دونوں کے ایک ہی ہوں گے۔ اصل
مقصد حمایتیوں سے ہے۔

حضرت نوح علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنے بیٹے کو، ان ابنی من اھلی
فرمایا تھا یہ میرا بیٹا ہے۔ میرے اہل میں سے ہے۔ تو فرمایا گیا انہ لیس من
اھلک۔ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے۔

اردو کے لفظ اہل اور آل ایک ہی مادہ کے دونوں لفظ ہیں۔
ہائے ہوز الف سے بدل گئی ہے۔ اس لئے اہل اور آل کے معنیٰ ایک ہی ہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

من سلک علی طریقی فھو آلی۔

جو میرے طریقے پر چلا وہ میری آل میں سے ہے۔

اس لئے سارے صحابہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور سارے سچے
مومنین آل رسول ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ واغرقنا آل فرعون
(ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا) ظاہر ہے کہ مراد اس کا لشکر ہے۔ یعنی فرعون

Marfat.com

کے پیرو اور اس کا ساتھ دینے والے غرق کئے گئے تھے اور وہ سب کے سب اولاً تو صرف فرعون کی اولاد نہ تھے اور ثانیاً (جو کانٹے کی بات ہے، وہ) یہ کہ فرعون لاولد مرا۔ آج بھی فرعون کی یادگار قائم کرنے والے اور فرعون کی طرف اپنے کو منسوب کرنے میں، فخر کرنے والے آل فرعون ہیں۔ (لفظ اہل کی تحقیق تمام ہوئی۔)

توجب یہ سورۃ طٰہٰ والی آیت اتری تو آپؐ نے اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہؓ کو اپنی صاحبزادیوں کو اپنے متبنیٰ زید بن حارثہؓ کو حکم دیا تھا۔ جو لوگ بالغ تھے وہ سب نماز پر مامور ہو گئے۔ سن شعور والے حضرت علیؓ بھی تھے سب کو نماز پڑھتے دیکھ کر یہ بھی ساتھ نماز پڑھنے لگے۔

گھر سے باہر:۔

حضرت ابوبکرؓ کے کانوں تک جب یہ خبر پہونچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی و رسول ہونے کا دعویٰ ہے۔ تو فوراً بارگاہ نبوت میں پہونچ گئے اور پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ باتیں سن رہا ہوں اس کی کیا حقیقت ہے۔ حضورؐ کو اس وقت تک باہر والوں کے سامنے تبلیغ کا حکم تو نہیں ہوا تھا۔ مگر کوئی باہر کا آدمی خود آکر حقیقت حال پوچھے تو چھپانے کی ممانعت تھی۔ اس لئے بنیت تبلیغ نہیں بلکہ بیان واقعات کے طور پر سوال کے جواب میں آپؐ نے پورا حال کہہ دیا جو دعی اس وقت تک آئی تھی وہ بھی سنا دی۔ حضرت ابوبکرؓ پر ابھی ایمان لانا فرض نہیں ہوا تھا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ فرض نہ ہو۔ کسی پر ایمان لانا فرض نہیں ہو سکتا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ بلا چون وچرا ایمان

Marfat.com

لے آئے۔ دنیا میں حضرت ابوبکرؓ ہی کی ایک ایسی شخصیت ہے کہ رسول پر تبلیغ فرض ہونے سے پہلے قبل اس کے کہ ایمان لانا ان پر فرض ہو ایمان لائے کسی نبی پر ایسا ایمان لانے والا کوئی نہ ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوبکرؓ سے پہلے باہر سے آکر حال پوچھنے والے تو خود آپؐ کے چچا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور بعض دوسرے اہل قرابت اور مکہ مکرمہ کے متعدد لوگ تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ سے پہلے کوئی باہر کا آدمی ایمان نہیں لایا۔ ایمان لانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس پہونچے۔ حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ حضرت ابوبکرؓ سے پہلے ان کو اپنی بیوی حضرت رقیہؓ بنت رسول صلعم سے پوری خبر مل چکی ہوگی اور وہ اپنی بیوی کو گھر پہ نماز پڑھتے بھی دیکھتے ہوں گے قرآن مجید کا تھوڑا ہی سا حصہ تو اس وقت اترا تھا حضرت رقیہؓ سے سن چکے ہونگے۔ دل جیسا ایمان اپنی جگہ بنا چکا تھا۔ دعوت تبلیغ کے منتظر ہی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ سے یہ سن کر کہ وہ ایمان لا چکے ہیں۔ ذرا ان کے سامنے اپنے ایمان کا اقرار کر دیا۔ وہاں سے حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، پھر حضرت طلحہؓ پھر حضرت زبیرؓ کے پاس یکے بعد دیگرے پہونچتے گئے اور تبلیغ کرتے گئے۔ یہ سب قدسی حضرات ایمان لے آئے تو ان سب کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے جس طرح کوئی باپ مدت کے بچھڑے ہوئے اپنے بیٹوں سے ملے۔ اسی شفقت و محبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع نہیں کیا گیا تھا کہ باہر کے لوگ ایمان لے آئیں تو ان کے ساتھ کیا کیا جائے

Marfat.com

فوراً آیت اتری۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (شعراء ۲۱۵)

اپنے قریب تر رشتہ داروں کو (نتیجہ کفر و مخالفت سے) ڈراؤ اور جو مومنین تمہاری پیروی کرنے پر آمادہ ہوں ان کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ رکھو۔

حضرت ابوبکرؓ کی یہ دوسری خصوصیت تھی جو دنیا میں کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوئی۔ کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی باہر کے لوگوں میں تبلیغ کی اور یوں سمجھیے کہ خلافت نبوی حضرت صدیق اکبر کے لیے اسی دن سے قائم ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت

ح - وانذر عشیرتک الاقربین فرمایا گیا وبلغ یا وادع نہیں فرمایا گیا اس لیے کہ چاروں چچا اور بہت سے چچیرے بھائی حضورؐ کی نبوت اور حضورؐ کی دعوت سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود بالمشافہ ان سب سے باتیں کر چکے تھے۔ طبری کی تاریخ جلد دوم میں مذکور ہے۔ کہ حضورؐ نے بنی ہاشم کے جملہ افراد کو یکجا کر کے دعوت دی۔ اور نہایت موثر انداز میں بڑی محبت و ہمدردی کے لہجہ میں لوگوں کو سمجھایا مگر ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ حضورؐ کی زبان مبارک سے قرآنی آیتیں سننے کے بعد بھی مطلق متاثر نہ ہوئے۔ مگر ایک دوسرے شخص کی دعوت و تبلیغ سن کر کچھ سعادتمند لوگ حضورؐ کی زبان مبارک سے کچھ سنے بغیر ایمان لے آئے جن میں دو بنی امیہ کے دو بنی زہرہ کے اور دیگر مختلف قبائل کے لوگ ایمان لے آئے مگر خاص خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے افراد بنی ہاشم میں اب تک حضرت علیؓ اور حضورؐ کی دو صاحبزادیوں کے سوا کوئی فرد ایمان نہ لایا۔ اس لیے "وانذر" فرمایا گیا حضرت علیؓ تو حضورؐ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تبلیغ کی اور رسول کے نائب کے ہاتھ پہ دو دن میں آٹھ آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قبل اس کے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود باہر نکل کر تبلیغ کے لئے مامور ہوں۔ صلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ وعلی خلفائہ وعلی اصحابہ وبارک وسلم۔

دوسرے دن پھر حضرت ابوبکرؓ تبلیغ کے لئے نکلے ابن جریر نے حضرت صدیق اکبرؓ کی تبلیغ سے آٹھ صحابہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا ذکر کیا ہے مگر نام انہی پانچ کے لکھے ہیں۔ جن کا میں نے ابھی ذکر کیا۔ اور یہ پانچوں عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ حاجی معین الدین ندوی مرحوم نے اپنی کتاب خلفائے راشدین میں حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت ابوسلمہ اور حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ کے نام بھی ان پانچ بزرگوں کے علاوہ لکھے ہیں۔ میرا گمان ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عمرو بن عبسہؓ، حضرت بلال بن ابی رباحؓ اور حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ اور حضرت صہیبؓ اور حضرت مقدادؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ۔ تعجب کیا ہے؟ کہ یہ حضرات بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی کی تبلیغ سے نعمت اسلام سے متمتع ہوئے ہوں۔ کیونکہ ان سب کا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر نکل کر تبلیغ کرنے سے قبل ہے۔ اور باہر تو عام حلقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہی پروپیگنڈا تھا۔ بس صرف حضرت صدیق اکبرؓ

بقیہ حاشیہ ص۷۶۔ کے زیر تربیت ہی تھے۔ اور کمسن تھے۔ صاحبزادیاں بیٹی ہی تھیں۔ گھر کے لوگ تو پہلے ہی سے مطیع تھے۔ مطیع رہے کوئی چنداں اہم بات نہ ہوئی۔ غیر لوگ جو باہر والے ایمان لے آئے اور سر اطاعت خم کر دیا ان کا ایمان لانا اہم تھا اسکے سبب وہ ایمان لائے تو یہ آپ نے نمایاں کی

ہی تھے جو لوگوں سے فرداً فرداً مل کر تبلیغ کر رہے تھے۔ رضی اللہ عنھم اجمعین

مومنین کو نماز کا حکم:۔

اب چونکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور یہ سارے مومنین اہل رسول اور آل رسول ہو گئے۔ اور حکم تھا۔ وامر اھلک بالصلوٰۃ۔ اپنے خاص لوگوں کو نماز کا حکم دو۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب مومنین کو نماز کا حکم دے دیا۔ اور جس طرح وحی جبرئیل کے ذریعے آپ کو نماز کے ارکان و اذکار بتائے گئے تھے۔ آپؐ نے ان سب کو بتائے۔ مگر ان چند مخلصین کے قبول اسلام کی خبر سن کر مشرکین کا غصہ اور بڑھ گیا تھا۔ اس لئے کوئی مسلمان علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس لئے نہ نماز کا کوئی وقت مقرر کیا گیا۔ نہ اس کے لئے کوئی جگہ معین کی گئی۔ جس کو جس وقت جہاں موقعہ مل جاتا تھا نماز پڑھ لیتا تھا۔ اور اپنے گھر پہ ہر مومن نماز پڑھتا تھا۔ جس وقت اس کے دل میں اللہ تعالے کے ساتھ ولولہ گرویدگی پیدا ہوتا تھا۔ کچھ دن کے بعد جب دار ارقم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر وعظ و پند فرمانے لگے۔ قرآن مجید کی جو آیتیں اتری تھیں ان کی تعلیم فرماتے تھے تو وہاں ان مٹھی بھر مومنین کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا موقعہ بھی مل جاتا تھا۔ اسی زمانے میں سورہ معارج کا نزول ہوا تھا۔ چونکہ اس وقت تک ۲۴ گھنٹے میں ایک ہی نماز فرض تھی۔ اس لئے اس سورۃ میں والذین ھم علے صلاتھم یحافظون بصیغہ واحد (صلاتھم) ہے مگر سورہ مومنون اسوقت اترا جب چار وقت کی نماز فرض ہوئی تھی۔ اس لئے سورۃ مومنون آیت ۹ میں ہے والذین ھم علے صلوٰتھم یحافظون یعنی بصیغہ جمع صلوات کا لفظ آیا ہے۔

Marfat.com

نماز کا دوسرا دور

نقریباً تین برس کے بعد آیت اتری۔

واصبر لحکم ربک فانک باعیننا وسبح بحمد ربک حین تقوم ومن اللیل فسبحہ وادبار النجوم۔ (طور ۴۸، ۴۹)

اے رسول تم اپنے رب کے فیصلے کے مطابق ثابت قدم رہو (تم اپنے رب کے فیصلے کا ثابت قدمی سے انتظار کرو اور گھبراؤ نہیں) یقین رکھو کہ تم ہماری نگہداشت میں ہو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو۔ جس وقت تم سو کر اٹھو اور رات کے کسی وقت اور جب ستارے پچھلے پاؤں پھرنے لگیں (مائل بغروب ہونے لگیں)

لہ تسبیح وصلوٰۃ۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں تسبیح کا لفظ بھی نماز کے معنی میں خصوصاً بصیغہ امر برابر آیا ہے۔ بلکہ اہل عرب بھی نماز کے لئے تسبیح کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قران مجید میں احکام نماز

Marfat.com

پہلے دور کو دو دور کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ چند دنوں کا دور جب صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تنہا نماز پڑھتے تھے۔ اور دوسرا دور وہ جس میں اپنے خاص لوگوں کو بھی نماز کی تبلیغ کا حکم ہوا تھا۔ مگر میں نے دونوں دوروں کو ایک ہی دور قرار دیا۔ اس لئے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بلا قید وقت و بلا قید تعداد نماز فرض تھی۔ کم سے کم چوبیس گھنٹے میں ایک بار بھی نماز پڑھ لینا کافی تھا جس کو جس وقت موقعہ ملے جس وقت جی چاہے پڑھ لے۔ یہ آزادی کا ایک دور رہا۔ اس دور کے ابتدائی حصے میں صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نماز کا حکم تھا، دوسرے حصے میں سب مومنین کے لئے نماز کا حکم ہوا۔ بالکل اسی طرح جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا۔ اور اب دوسرا دور جو تقریباً تین برس کے بعد آیا۔ جب بیس بائیس آدمی مرد و عورت سے زیادہ ایمان نہیں لائے تھے تو ہر شخص پر دو نمازیں فرض

کی بعض آیتیں صلوٰۃ کے لفظ کیساتھ آئی ہیں بعض تسبیح کے لفظ کیساتھ اسلئے نماز سے پیچھا چھڑانے والے بعض ظالم نہاد داعیان قرآن تسبیح کے لفظ کے ساتھ جو آیتیں آئی ہیں ان میں حکم نماز تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہیں اور جن وقتوں میں تسبیح کا حکم ہے ان وقتوں میں صرف سبحان اللہ وبحمدہ ایک بار زبان سے کہہ لینا کافی قرار دیتے ہیں یہ نتیجہ صرف ملحدانہ ذہنیت کا ہے۔ جن وقتوں میں تسبیح کے لفظ سے حکم ہے انہی وقتوں میں دوسری آیت میں صلوٰۃ کے لفظ سے بھی حکم موجود ہے۔ وہ سب آیتوں کو ملا کر غور کیوں نہیں کرتے۔؟ وہ تو جو کہتے ہیں وہ بھی کبھی نہیں کرتے۔ ایسے کہنے والوں کی قسم پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ ان سے قسم کھلوا کر پوچھا جاتا کہ کیا وہ ان وقتوں میں پابندی کے ساتھ ایک وقت بھی روزانہ صدق دل سے تعمیل حکم سمجھ کر سبحان اللہ وبحمدہ

Marfat.com

پہلے دور کو دو دور کہا جا سکتا ہے۔ ایک وہ چند دنوں کا دور جب صرف حضورؐ ہی تنہا نماز پڑھتے تھے اور دوسرا دور وہ جس میں اپنے خاص لوگوں کو بھی نماز کی تبلیغ کا حکم ہوا تھا مگر میں نے دونوں دوروں کو ایک ہی دور قرار دیا اس لئے کہ جس طرح صرف آنحضرتؐ پر بلا قید تعداد نماز فرض تھی کم سے کم چوبیس گھنٹے میں ایک بار بھی نماز پڑھ لینا کافی تھا جس کو جس وقت موقع ملے جس وقت جی چاہے پڑھ لے یہ آزادی کا ایک دور ہے اس دور کے ابتدائی حصے میں صرف رسولؐ کے لئے نماز کا حکم تھا دوسرے حصے میں سب مومنین کے لئے نماز کا حکم ہوا بالکل اسی طرح جس طرح آنحضرتؐ کے لئے تھا اور اب دوسرا دور جو تقریباً تین برس کے بعد آیا جب بیس بائیس آدمی مرد و عورت سے زیادہ ایمان نہیں لائے تھے۔ تو ہر شخص پر دو نمازیں فرض ہوئیں ایک صبح جب سو کر اٹھے

بقیہ حاشیہ ۸

تسبیح کے لفظ کے ساتھ جو آیتیں آتی ہیں ان میں حکم نماز تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہیں اور جن وقتوں میں تسبیح کا حکم ہے ان وقتوں میں صرف سبحان اللہ وبحمدہ ایک بار زبان سے کہہ لینا کافی قرار دیتے ہیں یہ نتیجہ صرف ملحدانہ ذہنیت کا ہے جن وقتوں میں تسبیح کے لفظ سے حکم ہے انہیں وقتوں میں دوسری آیت میں صلوٰۃ کے لفظ سے بھی موجود ہے۔ وہ سب آیتوں کو ملا کر غور کب کرتے ہیں؟ وہ تو جو کہتے ہیں وہ کبھی کبھی نہیں کرتے ایسا کہنے والوں کی قسم پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا ورنہ ان سے قسم کھلوا کر پوچھا جاتا کہ کیا وہ ان وقتوں میں پابندی کے ساتھ ایک بار بھی روزانہ صدق دل سے تعمیل حکم سمجھ کر سبحان اللہ وبحمدہ کہنے کے پابند ہیں!

Marfat.com

یعنی رات بسر کر کے جس وقت اٹھے ضروریات سے فارغ ہو کر دو رکعت نماز پڑھ لے پھر رات کے وقت جس وقت موقع ملے یعنی نماز پڑھ کر سوئے یا پہلے سو رہا اور رات کی نماز نہیں پڑھی تھی تو اب پھر رات کے وقت جس وقت موقع ملے پڑھ لے۔ غرض غروب آفتاب کے بعد سے ادبار النجوم یعنی نصف شب کے قبل تک پڑھ لے۔ اگر اس کا موقعہ نہ مل سکا تو کم سے کم طلوع فجر سے پہلے ضرور پڑھ لے مگر دن کی نماز رات کی نیند سو کر جس وقت بھی اٹھے طلوع آفتاب سے پہلے یا بعد تو اسی وقت ضروریات سے فارغ ہو کر نماز پڑھ لے تو اس دو رمیں فی الجملہ آزادی بھی اور فی الجملہ پابندی بھی مگر رات کو ایک نماز اور بھی بتائی گئی۔ ادبار النجوم کے وقت یعنی جب تارے پیچھے کی طرف یعنی مغرب کی طرف جانے لگیں۔

ادبار النجوم کے مرکب اضافی ہونے میں بہت بلیغ مفہوم ادا فرمایا گیا ہے۔ ستارے طلوع ہو کر اوپر چڑھتے آتے ہیں تو ان کا چہرہ تاباں سامنے ہوتا ہے

وہ تو صرف بحث کرنے کے وقت ایسا بول دیتے ہیں یا کسی مضمون میں لکھ دیتے ہیں۔ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کو معبود ہی نہیں سمجھتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پر ان کا صحیح ایمان نہیں ہے۔ ایسے لوگوں سے نماز کے موضوع پر بحث کرنا غلط ہے۔ ان سے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بحث ہونی چاہیئے وہ جب وجود باری تعالیٰ کو تسلیم کر لیں تو اس کی معبودیت پر بحث ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد یہ بحث ہو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کس طرح کی جائے؟ اتنے مراحل طے کرنے کے بعد ان سے نماز پر بحث ہو سکتی ہے۔ وہ بھی اس شرط پر کہ وہ قرآن مجید کو وحی منزل من اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ

Marfat.com

جیسے سناٹے سے کوئی آرہا ہے اور جب آدھی رات کے بعد ستارے غروب ہونے کی طرف مائل ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے پاؤں پھرے جا رہے ہیں کیونکہ ان کے روشن چہرے تو ہماری طرف ہیں اور ہم سے دور ہوتے جاتے ہیں جیسے کوئی آہستہ آہستہ پچھلے پاؤں کھسکتا چلا جاتا ہو اس مفہوم کو ادبار النجوم کے لفظ نے بڑی خوبی سے ادا کر دیا ہے یہاں النجوم پر الف لام عہد کا ہے وہی نجوم مراد ہیں جن کا تسلط آسماں پر رات بھر رہتا ہے۔ غروب آفتاب کے وقت طلوع ہوتے ہیں اور طلوع آفتاب سے پہلے غروب ہو جاتے ہیں درمیان شب جو نجوم طلوع ہوتے ہیں اور اپنی مسیر ادھوری چھوڑ کر طلوع آفتاب کے آثار جب ان کی نمود کو ختم کر دیتے ہیں ایسے ناکام و نامراد نجوم کا کیا اعتبار غرض ادبار النجوم کے وقت نصف شب کے بعد بھی دو رکعت نماز کا حکم ہوا تھا مگر جس وقت یہ وحی حضرت جبریلؑ لائے تھے۔ انھوں نے یہ بھی حضورؐ سے کہہ دیا تھا۔ کہ

تسلیم کر چکے ہوں ورنہ پہلے رسول اللہ کو رسول اللہ اور قرآن کو کتاب اللہ ان سے تسلیم کرا لیا جائے ورنہ نماز کی بحث ان سے کبھی طے نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ ساری بحثیں نتیجہ خیز جبھی ہو سکتی ہیں کہ جانبین انصاف و دیانت کے ساتھ احقاق حق کی نیت سے بحث کریں ورنہ ہٹ دھرمی کو اپنا شعار بنانے والوں سے بحث کرنا اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔

Marfat.com

ادبارالنجوم والی نماز صرف آپ پر فرض ہے عام مومنین بھی پڑھ سکتے ہیں مگر دوسروں پر فرض نہیں ہے۔ یہ خصوص فریضہ ہے آپ کے لئے دوسرے لوگ بھی ہر رات کو پڑھیں یا کسی کسی رات کو پڑھیں ان کو اختیار ہے بہرحال کار ثواب ہے۔

اس آیت کریمہ کے الفاظ پر غور کیجیے۔ اس کا آغاز خود بتا رہا ہے کہ یہ اس زمانے میں اتری ہے جس وقت نماز پڑھنا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا تھا جس کو مشرکین کبھی کہیں نماز پڑھتے دیکھ لیتے تھے اس کے جانی دشمن ہو جاتے تھے۔ ہر ممکن طریقے سے اس کو ستاتے تھے جب تک بغیر کسی پابندی کے نماز فرض تھی وہ بھی چوبیس گھنٹے میں صرف ایک وقت فرض تھی تو مشکل سے لوگ چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے اب دو وقت کی نماز ہر مومن پہ فرض ہو رہی ہے اور رسول پر تین وقت کی اور فی الجملہ پابندی وقت کے ساتھ خصوصاً دن کی نماز کہ جس وقت رات بسر کر کے سو کر اٹھے تو ضروریات سے فارغ ہو کر فوراً نماز پڑھ لے اس پابندی کی وجہ سے تو مخالفین کی نظروں سے روزانہ چھپ چھپ کر نماز پڑھنا ضرور دشوار ہو گا۔ نجانے کب کوئی دیکھ لے اور نماز کی حالت میں کیا شرارت کر بیٹھے اسی لیے پہلے یہ فرمایا کہ واصبر لحکم ربک۔ اپنے رب کے فیصلے کے لئے ثابت قدم رہو یعنی تمہارا رب جلد ہی تمہارے اور تمہارے ہٹ دھرم مخالفین کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم ثابت قدمی سے اس فیصلے کا انتظار کرو

Marfat.com

اس کے بعد اطمینان بھی دلایا کہ تم اپنی ظاہری مادّی کمزوری اور قلت تعداد اور مخالفین کی قوت و کثرت کو دیکھ کر گھبراؤ نہیں تم میری نگہداشت اور میری حفاظت میں ہو۔ اس طرح اطمینان دلانے کے بعد نماز کا حکم بیان فرمایا کہ تم جس وقت رات کی نیند سو کر صبح کو اٹھو تو اس وقت نماز پڑھ لیا کرو اور رات کے بھی کسی وقت میں اور ادبار النجوم کے وقت غرض سورہ طور چاہے جس وقت بھی اتری ہو مگر اس کی آخری دو آیتیں ضرور ابتدائی آیتوں سے ہیں جو ۳ سنہ نبوی میں عام مومنین پر صرف دو رکعت کی نماز کی عام فرضیت بتانے کے لئے اور ایک نماز کی فرضیت مخصوص برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتری تھی۔

یہ دو وقت کی نماز کا دور سنہ نبوی کے چند ماہ تک رہا سنہ نبوی میں حضرت فاروق اعظم ایمان لائے اور ان سے چند ماہ پیشتر مگر ۶ سنہ نبوی میں حضرت حمزہ سید الشہداء ایمان لا چکے تھے ان دو اللہ کے شیروں کے ایمان لانے کی وجہ سے مومنین کی جماعت میں وہ احساس ضعف باقی نہ رہا تھا جو پہلے تھا مگر پھر بھی ہر شخص حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کو اپنے ساتھ کیسے ہر وقت رکھ سکتا تھا یا خود ان کے ساتھ ہر وقت کیسے رہ سکتا تھا۔

حضرت عمر چالیسویں مسلمان تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اسی سنہ نبوی کے آخر میں غالباً تین وقت کی نماز سب پر فرض ہوئی اور نماز کا تیسرا دور شروع ہو گیا۔

Marfat.com

نماز کا تیسرا دور

سنہ ۷ نبوی سے

نماز کے متعلق چوتھی آیت کریمہ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ اللَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ (ق ۳۹، ۴۰)

مخالفین (جو کچھ) تمہارے خلاف بولتے ہیں اس پر صبر کرو (ضبط سے کام لو) اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو (نماز پڑھو) طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب سے پہلے اور رات کے کسی وقت میں اور رات کی سب نمازوں کے بعد۔

اس آیت میں دن کی دو نمازیں بتائی گئیں ایک دن کے آغاز میں دوسری دن کے اختتام میں۔ مگر آیت کریمہ میں دونوں نمازوں کے آخری وقت بتائے گئے ابتدائی وقت کسی کے بھی نہیں بتائے گئے قرآن مجید کا یہی اسلوب بیان ہے کہ جو بات فحوائے کلام سے سمجھی جائے یا پہلے جس کو بیان کیا ہے اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔ احکام کی آیتوں میں یہ انداز بیان خصوصیت کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس

Marfat.com

ہوا اور تفقہ کا ڈھنگ معلوم ہو جائے۔

دن کے اوّل وقت کی نماز کے وقت کا آغاز تو اس سے پہلے والی آیت میں بتا دیا گیا ہے حین تقومِ فرماکر یعنی جس وقت رات بسر کر کے صبح کو اٹھو تو پہلے آزادی تھی کہ جس وقت بھی نیند ٹوٹے چاہے طلوع آفتاب ہی کے وقت جب بھی نیند ٹوٹے نماز پڑھ لی جائے اب قبل طلوع الشمس فرماکر مسلمانوں کو سحر خیزی کا بھی پابند کر دیا گیا۔ اب ہر مسلمان پر فرض ہو گیا کہ وہ صبح کو ایسے وقت اٹھے کہ طلوع آفتاب سے پہلے دن کی پہلی نماز پڑھ لے نماز ہی فرض نہ ہوئی سحر خیزی بھی فرض ہو گئی۔

جو رات کو نہیں سویا جو رات بھر جاگا ہے یا آدھی رات سے جاگ رہا ہے وہ طلوع فجر یعنی پو پھٹنے کے بعد طلوع شمس سے قبل تک کے اندر کسی وقت نماز پڑھ لے گا اس لئے کہ یہ دن کی پہلی نماز ہے اور دن شروع ہوتا ہی ہے طلوع فجر سے اس کو ہر شخص جانتا ہے اسی لئے اس نماز کا نام بھی صلوٰۃ الفجر رکھا گیا اور روزے کی ابتدا بھی پو پھٹنے ہی سے ہوتی ہے۔ مگر آغاز صوم کی آیت بھی سورہ بقرہ مدنی سورت کی ہے اور صوم فرض بھی مدینہ منورہ میں ہوا اور صلوٰۃ الفجر کا لفظ بھی سورہ نور مدنی سورہ میں ہے اور پردہ کا حکم بھی جس میں یہ لفظ آیا ہے مدینہ طیبہ ہی میں ہوا تھا تو مدنی آیتیں مدنی سورتوں میں جو آئی ہیں ان سے ہجرت کے قبل مکہ معظمہ میں اس حکم صلوٰۃ کی چوتھی آیت کے نزول کے وقت کس طرح تصریف آیات کے ذریعے نماز کے مسائل اور اس کے طریقے

Marfat.com

تصنیف کیے جاتے ؟

البتہ رات کی انتہاء سورۃ القدر میں حتیٰ مطلع الفجر فرما کر بتا دی اور سورہ قدر یقیناً مکی ہے اگرچہ ثعلبی نے اس کو مدنی ثابت کرنیکی کوشش کی ہے مگر بتقاضائے فطرت اختلاف آفرینی و اختلاف پسندی ہے مگر دن کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور کس وقت ختم ہوتا ہے اور رات کس وقت سے شروع ہوتی ہے اور کس وقت ختم ہوتی ہے اس کو قرآن مجید کی آیتوں میں تلاش کرنا دیوانہ پن ہی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ دن کی پہلی نماز کا وقت دن کے آغاز پو پھٹنے کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے مگر ہر شخص جس وقت سو کر اٹھتا ہے اسی وقت نماز فجر کا تہیہ کرتا ہے عمل ہر شخص کا حین تقوم کے مطابق ہوتا ہے اگر چہ دن کی پہلی نماز کا وقت درحقیقت طلوع فجر یعنی پو پھٹنے ہی سے ہوتا ہے۔

باقی رہی دن کی دوسری نماز کے وقت کی ابتدا تو اس کا پتہ دو طرح لگایا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اوّل وقت کی انتہا قبل طلوع الشمس بتائی گئی ہے اور اس کی ابتدا ایسے وقت سے ہوتی ہے جس وقت طلوع الشمس کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔ تو بالکل اسی طرح قبل غروب والی نماز کے وقت کی ابتدا اس وقت سے ہونی چاہیئے کہ آثار غروب آفتاب فضا میں پیدا ہونا شروع ہو جائیں اوّل وقت کی ابتدا پو پھٹنے سے تھی تو آخر وقت کی ابتدا زردی واضمحلال شمس سے ہونی چاہیئے

Marfat.com

جب فضا میں آفتاب کی تمازت کا اثر کم ہو جائے دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً ڈھاکہ میں یکم جنوری کو پو پھٹتی ہے پانچ بج کر بیس منٹ پر اور آفتاب طلوع ہوتا ہے چھ بجکر اکتالیس منٹ پر تو دن کے اوّل وقت کی نماز کا وقت ایک گھنٹہ بیس منٹ تقریباً مل جاتا ہے اسی انداز سے دن کے آخری وقت کی نماز کا وقت بھی غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ بیس منٹ یا ڈیڑھ گھنٹہ پہلے رکھنا چاہیئے اس ایک گھنٹہ بیس منٹ کے اندر دن کی دوسری نماز کا وقت سمجھنا چاہیئے یعنی یکم جنوری کو پانچ بجکر پچیس منٹ پر غروب آفتاب ہو تو چار بجکر پانچ منٹ سے غروب آفتاب تک کے اندر دن کے آخری وقت کی نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ یعنی عصر کی نماز کا وقت۔ واضح رہے کہ تیسرے دور کا ذکر ہے جب ظہر کی نماز فرض نہیں ہوئی تھی، مگر رات کی نماز سب لوگوں کے لیئے تو وہی ایک ہی وقت کی رہی اسی آزادی کے ساتھ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ایک ادبار النجوم والی فاضل نماز فرض تھی وہ بھی اسی طرح حضور پر فرض رہی اور دوسروں کے لیئے بھی تطوع یعنی نفل کی حیثیت سے پڑھنا باعث ثواب مزید رہا۔ تو رات کی دو نمازیں حضور پر فرض اور ایک نماز مومنین پر فرض اور دوسری نفل رہی لیکن جتنی نمازیں بھی رات کو پڑھی جائیں سب کے بعد ایک آخری نماز بھی پڑھی جائے (ادبار السجود) سب نمازیں تو شروع سے دو دو ہی رکعت پڑھی جا رہی ہیں مگر اس رات کی آخری نماز کو تین رکعت پڑھنے کے لیئے حضرت جبریل نے بتایا اس لیئے اس کا نام صلوٰۃ الوتر رکھا گیا[1] مگر وتر کو صرف رات کی آخری نماز کیوں کہا جاتا ہے؟

[1] ص ۹۰ پر دیکھیئے

Marfat.com

اس لئے کہ یہ رات دن ملاکر پورے چوبیس گھنٹے کی آخری نماز ہے اس لئے کہ رات کی تاریکی گوشہ قبر کی تاریکی کے مشابہ ہے اور نیند کو مجازی موت غلط نہیں کہتے۔ قرآن مجید میں ہے

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا

اللہ تعالیٰ روح نفسانی کو انسان سے پورا نکال لیتا ہے اس کی موت کے وقت اور جس کی موت نہیں ہوتی تو اس کی روح نفسانی کو نیند کی حالت میں نکال لیتا ہے (زمر ص۹۳)

تو سونے والا جب سو کر اٹھتا ہے تو گویا نئی زندگی اس کو ملتی ہے۔ اس نئی زندگی میں پہلی نماز اس کو صبح کی اور آخری نماز عشا کی پڑھنی ہے اور ادبار النجوم والی نماز تہجد بھی اس نے اگر پڑھی ہے تو یہی اس کی آخری نماز ہوئی۔ اس کے بعد اس کو وتر پڑھ کر رات کی نماز کو ختم کرنا ہوگا اس حساب سے پورے چوبیس گھنٹوں کی نمازوں کو ملاکر سب سے آخری نماز وتر کی ہوئی جس کے بعد وہ پھر سوئے گا اور مجازی موت اس پر پھر طاری ہو جائے گی۔

حاشیہ ملہ صد۸۹ کا

ملہ سورہ فجر کی آیت کریمہ ۲ جو ہے والشفع والوتر اکثر مفسرین کے نزدیک پنجگانہ نمازوں میں سے تو ظہر، عصر اور عشاء کی نمازیں تو شفع ہیں اور مغرب کی نماز جو رات کی سب سے پہلی نماز ہے اور وتر کی نماز جو رات کی سب سے آخری نماز ہے تین تین رکعتیں وتر ہیں۔ رات کی پہلی اور پچھلی نمازوں کے وتر ہونے کی خصوصیت اور اس کے مصالح تو وہی جانتا ہے جس نے اسکا حکم فرمایا ہے بندوں کا کام تعمیل حکم ہے نہ کہ حکم کے اسباب و علل پوچھنا۔

Marfat.com

تعجب ہے کہ وتر کی نماز کو کوئی سنت اور کوئی واجب کہتا ہے۔ حالانکہ یہ نص قرآنی سے فرض ہے کسی دلیل ظنی سے نہیں دلیل قطعی سے مامور ہے اور یہ ہر مسلمان پہ فرض ہے جس طرح پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ مگر یہ عشاء کی نماز کا ایک ضمیمہ ہے اس کے لئے نہ اذان ہوتی ہے نہ جماعت اس لئے عشاء کا ضمیمہ قرار پائی اس کا خاص وقت بھی معین نہیں ادبار النجوم یعنی تہجد کی نماز بھی پابندی نہیں ہے وہ صلوٰۃ العشاء کے بعد اسے پڑھ سکتا ہے جس کو صرف فرض عشاء پڑھنا ہے جیسے مسافر اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد تقریباً ڈیڑھ برس تک تین وقت کی نماز کا معمول رہا فجر عصر اور عشاء ادبار النجوم والی تہجد کی نماز تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تطوعاً یعنی نفل کی حیثیت سے عموماً پڑھتے تھے رات کی آخری نماز وتر سب کے لئے تھی ہر نماز تو دو دو رکعت پڑھی جاتی تھی صرف مغرب اور وتر کی نمازیں تین رکعت ہوتی تھی کیونکہ یہی حضرت جبریل نے وحی ربانی سے بتایا تھا۔

واضح رہے یہ بات تو یقینی ہے کہ نماز رفتہ رفتہ فرض ہوئی پہلے صرف ایک وقت کی نماز بغیر تعین وقت کے چوبیس گھنٹے میں ایک بار جس وقت موقعہ ملے۔ وہ بھی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ فرض ہوئی تھی اس کے بعد حضور کو اپنے اہل وعیال کو بھی پابند نماز بنانے کا حکم ہوا اہل کے لفظ میں جو معنوی

رکعات توفیقی ہے وحی کے ذریعے بتائی گئی وحی متلو وحی غیر متلو دونوں کے ذریعے۔ جس کی بحث میرے مقالہ تعداد رکعات نماز پنجگانہ میں دیکھئے۔

Marfat.com

عموم ہے اس کے اعتبار سے جب باہر والے ایمان لا لاکر اہل رسول اللہ میں داخل ہوتے گئے تو وہ بھی پابندی نماز پر مامور ہو گئے۔ اس کے بعد دو وقت کی نماز عامۃ مومنین پر فرض ہوئی پھر تین وقت کی نماز فرض ہوئی مگر رات کی نماز کا ایک مختصر سا ضمیمہ آخری نماز بھی عمومی فرض قرار پائی جو سب نمازوں کے بعد پڑھی جائے جس کا نام وتر رکھا گیا اس کے بعد چار وقت کی اور پھر ہجرت الی المدینہ کے اثنائے راہ میں یعنی ہجرت کے بعد مگر مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے مقام قبا میں پانچوں وقت کی نماز فرض ہوئی آیتیں اسی مناسبت سے اتریں جن کو مختلف سورتوں میں حسب منشائے رب العالمین حضرت جبریل کے بتانے کے مطابق جگہ دی گئی اس لئے یہ دیکھنا کہ فلاں سورت کب اتری تھی اور یہ سمجھنا کہ یہ آیت نماز بھی اسی زمانے میں اتری ہوگی غلط ہے سورتوں کے اترنے کی تعیین وقت تو متاخرین نے قیاس اور محض ظن کی بناء پر قائم کی ہے میں نے بھی ایک وقت کی نماز کب تک فرض رہی اور دو وقت کی کب فرض ہوئی اور کب تک فرض رہی پھر تین وقت کی نماز کب فرض ہوئی اور کب تک اور کب تک فرض رہی۔ پھر چار وقت کی نماز کب فرض ہوئی اور کب تک فرض رہی اور پانچ وقت کی نماز کب فرض ہوئی۔ محض قیاس وظن ہی پر اگلوں کی طرح اندازہ قائم کر کے زمانے مقرر کیے ہیں اسی لئے غالباً کا لفظ برابر لکھا ہے صرف ایک نماز پھر دو پھر تین پھر چار اور پھر پانچ نمازیں جب فرض ہوئیں جو آیات قرآنیہ سے ثابت ہیں تو پھر ان کے لئے پانچ دوروں کا ہونا بھی لازمی ہے صرف ہر دور کی مدت کا تخمینہ قیاس اور

Marfat.com

ظن پر مبنی ہے مگر پانچ دور کا ہونا قیاسی وظنی نہیں ہے پانچ دور فرضیت نماز کے تو قرآنی آیتوں کی شہادت سے ثابت ہیں اور درایت وعقل سلیم بھی بتاتی ہے کہ ایسے کٹھن اور ہجوم خطرات، قلت تعداد اور کثرت مخالفین کے زمانے میں یک وقت پانچ پانچ وقت کی نماز ہرگز فرض نہیں کر دی گئی ہوگی یقیناً رفتہ رفتہ مومنین کو نماز کا خوگر بنایا گیا جیسے جیسے لوگوں میں ذوق عبادت پیدا ہوتا گیا ویسے ویسے وقفہ دے دے کر نمازوں کی تعداد بڑھائی گئی۔

ایسے ہوتے ہیں "معارف القرآن" :-

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کو سورۃ قٓ کی مذکرہ بالا آیت ۳۹-۴۰ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ اللَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہ سے متعلق لغات القرآن کے کچھ نوادر سے بہرہ ور کرتے چلیں۔

لغات القرآن جلد دوم ص ۶۳۶ پر مذکورہ آیات کریمہ لکھنے کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ۔ "رسول اللہؐ سے کہا گیا ہے کہ تمہارے مخالفین جو کچھ کہتے ہیں اس سے مضطرب و بے چین نہ ہو اور خدا کی ربوبیت کو مظہر حمد وستائش بنانے کے لیے سرگرم عمل رہو۔ طلوع شمس وغروب شمس سے پہلے اور رات میں بھی اس کے پروگرام کی تکمیل کے لیے جدّ وجہد کرو اور ادبار السجود میں بھی۔۔۔" پھر ص ۶۳۷ پر ارشاد ہوتا ہے کہ

لہ مرتبہ جناب پرویز۔ نفس ناطقہ رسالہ طلوع اسلام لاہور (ناشر)

Marfat.com

سورہ قٓ میں ادبار آیا ہے، جو دبر کی جمع ہے، دوسرا لفظ سجود ہے جو مصدر ہے، اور اس کے معنی جھکنے یا مائل ہونے کے ہیں۔ اس سجود کے ادبار کیا ہیں! یہ چیز غور طلب ہے۔ عام تفسیر اور کتب لغت میں اس کے معنی "نماز کے بعد" لکھے ہیں۔ لیکن یہ معنی جچتے نہیں ہیں، بالخصوص اس لئے کہ یہاں لفظ اَدبار آیا ہے۔ اِدبار نہیں۔ نیز دبر کسی شے کے آخری اور پچھلے حصے کو کہتے ہیں جو اس میں شامل ہوتا ہے اور "بعد" کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی واقعہ یا چیز ختم ہو جائے اور اس کے بعد کوئی اور واقعہ یا چیز شروع ہو، ہم اپنی اس وقت تک کی تحقیق کے مطابق متعین طور سے نہیں کہہ سکتے کہ اس سے مقصود کیا ہے۔

مؤلف لغات القرآن ہی جیسے ایک صاحب کو میں نے لکھا تھا کہ

گر تو قرآں بدیں نمط فہمی — اچہ فہمی ہمہ غلط فہمی!

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا میرسد دیوار کج

کسی بہادر انسان کو "شیر" کہئے تو اسی قسم کا اعتراض ہو سکتا ہے کہ "شیر" ایک درندے جانور کا نام ہے، جس کے سارے بدن پر بال ہوتے ہیں جس کے دم ہوتی ہے، وہ جسم رکھتا ہے اور "بہادر" تو ایک صفت ہے جو کسی انسان کی صفت ہو سکتا ہے، انسان کو شیر کہنا تو اس کو دُم دار درندہ قرار دینا ہے بہادر کا مفہوم "شیر" کے لفظ سے کیوں نکلنے لگا؟ غرض اس طرح کے شکوک ید اللہ اور وجہ اللہ وغیرہ کلمات پر بھی ہو سکتے ہیں کہ ید اور وجہ جو دو جسم مرکب کے نام ہیں، ان کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف

Marfat.com

سمجھ میں نہیں آتی ۔

سب سے پہلے مصنف لغات القرآن نے وسبح بحمد ربّک کا جو ترجمہ کیا ہے، اسی کو دیکھئے ـــــ "خدا کی ربوبیت کو مظہر حمد و ستائش بنانے کے لئے سرگرم عمل ہو جاؤ ۔" بتایئے، اس سرگرمی عمل کے لئے، قبل طلوع الشمس و قبل الغروب و من اللیل کے اوقات معین کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ کیونکہ "خدا کی ربوبیت کو مظہر حمد و ستائش بنانے کے لئے سرگرمی عمل" ہر وقت ہونی چاہئے " طلوع شمس و غروب شمس سے پہلے اور رات میں بھی اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے جد و جہد کرنے کی تعلیم و تلقین کے لئے، وسبح بحمد ربک کا جملہ بالکل کافی تھا اور اگر ان اوقات کا تذکرہ نہ کیا جاتا تو کیا وسبح بحمد ربک کے بلا تعیین اوقات ہونے کی وجہ سے کوئی یہ سمجھ بیٹھتا کہ ان اوقات میں سرگرمی عمل موقوف کر دینی چاہئے ؟ جس شخص میں ادنیٰ سی بھی عقل و سمجھ ہو گی وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس جملہ (وسبح بحمد ربک) میں "سرگرمی عمل" کا جو حکم ہے اس کا اطلاق طلوع شمس و غروب شمس سے پہلے اور رات" پر نہیں ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ کو ضرورت پیش آئی کہ قبل طلوع الشمس و قبل الغروب ومن اللیل کی بھی صراحت کر دی جائے، یا پھر یہ کہا جائے کہ قبل طلوع الشمس سے لے کر واد بار السجود تک اللہ تعالیٰ نے زائد از ضرورت بات فرما دی ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ "سرگرمی عمل" کو ان اوقات سے مقید کیا ہے، یعنی "طلوع شمس و غروب شمس سے پہلے اور رات" خدا کی ربوبیت کو مظہر

Marfat.com

حمد و ستائش بنانے کے لیئے سرگرم عمل رہو" تو سوچیئے کہ جو اوقات معین کیئے ہیں کیا سرگرمی عمل کے لیئے مناسب بھی ہیں؟ قبل طلوع الشمس تو آخری وقت ہے انتہائے وقت بتائی گئی ہیں۔ ابتدا کا ذکر نہیں، سرگرمی عمل دس پندرہ منٹ کی تو کوئی چیز نہیں! پھر طلوع آفتاب کے بعد سرگرمی عمل موقوف کر دینی چاہیئے کیونکہ قبل طلوع انتہائے وقت بنانے کے لیئے ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جس کا حکم ہے اس کو طلوع آفتاب کے قبل ختم کر دینا چاہیئے۔ حالانکہ خدا کی ربوبیت کو مظہر حمد و ستائش بنانے کے لیئے سرگرمی عمل" تو ہر وقت جاری رہنی چاہیئے، طلوع آفتاب کے قبل اس کو ختم کر دینے کے کیا معنی ہیں؟ اس کے بعد پھر سرگرمی شروع ہو تو قبل غروب چاہے پانچ ہی منٹ قبل کیوں نہ ہو، مگر غروب کے بعد پھر سرگرمی عمل کو ختم کر دینا ہوگا۔ پورا دن سرگرمی عمل سے خالی رہے۔ کوئی حرج نہیں، البتہ رات کو سرگرمی عمل جاری رہے، اس مجذوبانہ تفسیر کی وجہ سے اگر ادبار السجود کا حکم مصنف لغات القرآن پر واضح نہ ہو تو کیا مقام تعجب ہے؟

مصنف لغات القرآن کے نزدیک دشواری جو کچھ ہے وہ اس سے کہ یہاں اَدبار بفتحہ الف ہے اور آخر سورہ طور میں ادبار النجوم بکسر الف ہے۔ یعنی اگر یہاں (وادبار السجود میں) بھی بکسر الف ہوتا کسی طرح مصنف لغات القرآن کوئی مفہوم اپنے منشا کے مطابق کھینچ تان کر نکالتے۔

مصنف لغات القرآن نہیں جانتے کہ قرآن مجید میں سجود کا لفظ کس معنی میں آتا ہے، لغت میں دیکھتے ہیں کہ اس کے لغوی معنی جھکنے اور مائل

Marfat.com

ہونے کے ہیں۔ دیکھ بجمد ربک کے مفہوم کو مصنف لغات القرآن سوچتے ہیں کہ خدا کی تسبیح و تحمید کیا کی جائے گی؟ لغات القرآن کی اسی جلد صفحہ ۴۰۵ میں ح ب ب کے مادّے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جہاں تک خدا کی ذات کا تعلق ہے، ہمارے حیطۂ ادراک میں آہی نہیں سکتی" پھر خدا کو "ان دیکھی چیز" بھی اسی عبارت کے ایک ہی سطر بعد قرار دیا ہے۔ اور اپنی دوسری بعض تصانیف میں صاف صاف لکھا ہے کہ خدا کی ذات سے ہمارا کیا تعلق؟ کیونکہ اس کی ذات ہمارے حیطۂ ادراک میں آہی نہیں سکتی۔ لہٰذا ہمارا جو کچھ تعلق ہے وہ خدا کے قانون سے ہے[1]۔ اس بناء پر جو چیز حیطۂ ادراک سے باہر ہو ان دیکھی ہو اور اس سے براہ راست ہمارا کوئی تعلق بھی نہ ہو تو اس کی حمد و ستائش کوئی سچے دل سے کیا کرے گا؟ وہ تو مصنف لغات القرآن کے نزدیک ایک وہمی شخصیت ہے جو عوام پر اثر انداز ی کے لئے فرض کر لی گئی ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں، البتہ قرآن جو ایک کتاب اس کی طرف منسوب ہے

---

[1] مثلاً سلیم کے نام مطبوعہ ۱۹۵۳ء ص ۱۰۱ میں رقم طراز ہیں کہ۔ اللہ کی ذات سے متعلق سلیم: انسان کچھ نہیں سمجھ سکتا، یہ معاملہ انسانی شعور و ادراک کی حد سے ماوراء ہے جس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حقیقت یہ ہے تو پھر ہمارا اور اللہ کا تعلق کیا ہے۔ یہ بحث بہت تفصیل طلب ہے اسلئے تمہیں کچھ عرصہ اور انتظار کرنا ہوگا اس وقت اس وسیع اور ہمہ گیر موضوع کے صرف ایک گوشہ کو سمجھ لینا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہماری موجودہ زندگی اور اس کے معاملات کا تعلق ہے ہمارا واسطہ اللہ کے قانون سے ہے۔ واضح رہے کہ یہ "اللہ کا قانون" بھی محض نمائشی ہے اور الفاظ کی حد تک ہے کیونکہ وہی قانون "اللہ کا قانون"

یہ قابل حمد و ستائش ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس کی آیات کے جو مفہوم مصنف لغات القرآن بناتے ہیں، وہی تسلیم کر لیے جائیں اور جو پروگرام ربوبیت کا اس ان دیکھے خدا کی طرف مصنف لغات القرآن منسوب کرتے ہیں اسی پروگرام ربوبیت کو مظہر حمد و ستائش بنانے میں سرگرم عمل رہنا ہر انسان کا فریضہ اور اسی خدا کا حکم بتایا جائے جو بالکل اُن دیکھا ہے جانا بوجھا ہے، کہا جائے کہ خدا نے بندوں کو یہ حکم دیا ہے، قرآن کو اس اَن دیکھی، وہمی، و فرضی شخصیت کی طرف منسوب کرتے رہنا، جس کو عوام خدا کہتے ہیں ضروری ہے تاکہ عوام سمجھتے رہیں کہ مصنف لغات القرآن قرآن کریم پر سب سے زیادہ ایمان رکھتے ہیں اور پھر اپنے منشا کے مطابق مفہوم کو کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر قرآن کا مفہوم قرار دینے کا موقع ملے اور عوام مؤلف لغات القرآن کی ہر بات کو قرآن کا مفہوم سمجھ کر بے چون وچرا تسلیم کریں۔ بس صرف اپنی ذہنی پیداوار کو یا کہیں سے درآمد کردہ خیال و مسلک کو لوگوں کے سامنے قرآنی مفہوم قرار دینے کے لیے مصنف لغات القرآن قرآن مجید سے چپٹے ہوئے ہیں اور اسی لئے اپنے مدعا و منشا کے مطابق معانی الفاظ قرآن کے عوام کو بتانے کے لئے لغات القرآن بھی تصنیف کیا ہے یا تصنیف کرایا ہے۔ اور قرآن مجید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و گرویدگی کا اظہار، تو اس کا اظہار جوش ملیح آبادی جیسے

قرار پاتا ہے جسے مصنف لغات القرآن "اللہ کا قانون" کہہ کر پیش کریں۔

Marfat.com

منکر وجود خدا بھی بڑے طمطراق سے کرتے ہیں اور دلو رام کوثری جیسے ہنود بھی کرتے تھے۔

مصنف لغات القرآن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ رکوع و سجود سے نماز مراد لینا دلالت تضمنی کے اعتبار سے ہے ہر زبان میں جس کی مثال ملتی ہے طلبۂ مدارس بھی جانتے ہیں، جس کو اہل ادب تسمیۃ الجزء وارادۃ الکل کہتے ہیں یعنی ایک جزو کا نام لینا اور کل مراد لینا، جیسے عام طور پر الحمد للہ کہتے ہیں قل ھو اللہ کہتے ہیں اور پورا سورہ مراد لیتے ہیں، وارکعوا مع الراکعین میں رکوع سے مراد نماز ہی ہے تو یہاں بھی السجود سے نماز مراد ہو تو کیوں انکار پر تلے ہوئے ہیں؟ نماز کے تین ارکان مفروضہ ہیں۔ قیام رکوع اور سجود۔ قیام کی ابتدا ہی سبحانک اللھم سے ہوتی ہے فسبح بحمد ربک حین تقوم کی اشارۃ النص سے یہ حکم نکلتا ہے۔ اور فسبح بحمد ربک وکن من الساجدین سے سجدے میں بھی تسبیح و تحمید کا حکم ہے، رکوع ایک چھوٹا سجدہ ہے اس لئے رکوع میں بھی تسبیح کی جاتی ہے غرض تینوں ارکان میں تسبیح ہے اس لئے نماز کا ایک نام تسبیح بھی ہے، حدیثوں میں تسبیح کا لفظ بمعنی نماز بہت جگہ آیا ہے ھو یصلی اور ھو یسبح دونوں ایک معنی میں صحابہ عام طور سے بولتے تھے بعد کو اصطلاح یہ مقرر کر لی گئی کہ فرض نماز کو صلوٰۃ اور نفل کو تسبیح کہنے لگے، مگر دونوں لفظوں سے نماز ہی عموماً مراد لیتے تھے، قرآن مجید میں جہاں جہاں تسبیح کا حکم تصریح اوقات کے ساتھ ہے ہر جگہ نماز ہی کا حکم ہے۔

اس سے صرف ایک بار سبحان اللہ کہہ لینا جو مراد لیتا ہے وہ عربی زبان

Marfat.com

سے یاتو جاہل ہے یا ملحد ہے۔

دبر کے لفظ کے لغوی معنی بے شک اہل لغت موخر الشی عقب الشی لکھتے ہیں، مگر یہ تو لغوی معنی ہوئے مجازاً پیچھے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ سورہ حجر آیت ۶۴ میں واتبع ادبارہم، یعنی تم اپنے ساتھیوں کے پیچھے پیچھے رہو۔ تو کیا یہاں مطلوب یہ نوعیت ہے کہ ساتھیوں کے پیچھے حصہ کے ساتھ اس طرح شامل ہو جاؤ کہ اگلے کے ساتھ پیوستہ ایک جزو کی حیثیت ہو جائے جیسے پیٹھ جزو ہوتی ہے جسم کی۔ اور "بعد" کے معنی میں بھی یہ لفظ (دبر) آتا ہے دیکھئے اقرب الموارد ج اوّل صفحہ ۳۱۷ کالم ۳

دبر الصلوٰۃ انقضاءھا وفی الحدیث تسبحون وتکبرون وتحمدون دبر کل صلوٰۃ ثلاثا وثلثین مرۃ۔ (سبحان اللہ پڑھو اللہ اکبر پڑھو الحمد اللہ پڑھو ہر نماز کے بعد ۳۳ بار) مؤلف لغات القرآن حدیث رسول کو دین میں حجت نہیں مانتے تو کیا عربی زبان کے محاورے میں بھی سند نہیں مانیں گے؟ امراء القیس کا شعر تو سند ہو مگر حدیث رسول سند نہ ہو؟ مگر اقرب الموارد جس کا پایہ بہت سی کتب لغت سے زیادہ بلند ہے اور اس کا مرتب عربیت میں لغات القرآن کے مؤلف سے تو یقیناً بلند ہے کہ دونوں میں کسی طرح کی نسبت قائم کرنا مضحکہ خیز بات ہو گی۔ اس اقرب الموارد میں یہ حدیث سند میں پیش کی گئی ہے۔

ربوبیت خداوندی کو مظہر حمد و ستائش بنانے کے لئے، سرگرم عمل رہنا ہر سچے مسلمان کو ہر وقت رہنا چاہیئے۔ نہ کہ طلوع آفتاب سے قبل تک اور طلوع آفتاب کے بعد سرگرمی عمل موقوف کر دے، مصنف

Marfat.com

لغات القرآن چونکہ نماز کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے اس لئے نماز کے حکم کی آیتوں میں اس قسم کی لایعنی بلکہ سفیہانہ تحریف کرتے رہتے ہیں، لکھتے ہیں کہ سورہ طور کے آخر میں بھی یہی مضمون ہے مگر وہاں ادبار النجوم ہے۔ خیال تو کیجئے کہ ستاروں کے ڈھلنے کے وقت آدھی رات کے بعد ربوبیت خداوندی کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل رہنے کا کونسا وقت ہے؟ وہ کس قسم کی سرگرمی ہے کہ طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب کے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ قبل کی طویل مدت تک دن بھر تو بالکل موقوف رہے، مگر آدھی رات کو شروع کیا جائے؛ غرض یہ ہے کہ نماز پڑھنے کا نام زبان قلم پر نہ آنے پائے، نماز کی جگہ کوئی اور کام بتا دیا جائے۔

Marfat.com

نماز کا چوتھا دور

حکم نماز کی پانچویں آیت کریمہ

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ۝

ھود ع ۱۱۴

اے رسول نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ ایک نصیحت ہے (اللہ تعالیٰ کو) یاد کرنے والوں کے لئے۔

نماز کے متعلق چوتھی آیت میں فرمایا گیا تھا قبل طلوع الشمس وقبل الغروب۔ یہاں طرفی النہار فرمایا گیا دن کے دونوں کنارے وہی پو پھٹنے کے بعد سے قبل طلوع الشمس تک پہلا دن کا کنارہ اور زردی آفتاب سے لے کر قبل غروب تک دن کا آخری کنارہ اس لئے اس آیت کے حکم سے بھی اس چوتھے دور میں دن کی وہی دو نمازیں فرض رہیں فجر اور عصر کی رات کے وقت جب تک صرف ایک نماز فرض تھی (چاہے وہ رات

Marfat.com

کے وقتوں میں کسی وقت بھی پڑھی جائے۔) سابق آیتوں میں ومن اللیل فرمایا گیا، یہاں زلفا من اللیل" ارشاد فرمایا ہے۔ زُلَفٌ زُلْفَۃ کی جمع ہے اگر صرف ایک نماز رات کو فرض ہوتی تو یا تو سابق آیتوں کی طرح صرف ومن اللیل ہی یہاں بھی فرمایا جاتا یا زلفۃ من اللیل فرمایا جاتا یعنی رات کے کسی حصے میں۔ بعض اہل لغت زلفۃ اللیل یا زلفۃ من اللیل کے معنی لکھتے ہیں۔ رات کا ابتدائی حصہ تو رات کا ابتدائی حصہ تو ایک ہی ہوگا یہاں زلف جمع کا صیغہ آیا ہے اس لیے یا تو ابتدائی کی قید کو حذف کر کے صرف رات کے حصے مراد لیجیے یا رات کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کے ابتدائی حصے کو مراد لیجیے۔ مگر بہر حال "زلفا" بصیغہ جمع جب آیا ہے تو کم سے کم رات کے تین حصے یا تین ابتدائی حصوں میں نماز کا حکم ماننا پڑے گا۔ اور رات کی تین نمازیں بھی ماننی ہوں گی۔ رات کا پہلا حصہ تو غروب آفتاب کے بعد والا ہوتا ہے اور دوسرا ابتدائی حصہ غروب شفق کے بعد ہوتا ہے یہ دو ابتدائی حصے تو واضح ہیں اور تیسرا ابتدائی حصہ ادبار النجوم کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ رات کے پہلے ابتدائی حصے یعنی غروب شمس کے وقت سے کون انکار کر سکتا ہے غروب کے بعد مغرب کی نماز اب فرض ہوئی اور دوسرے ابتدائی حصے میں یعنی غروب شفق کے بعد عشاء کی نماز جو پہلے سے فرض چلی آ رہی ہے اسی طرح پڑھی جائے گی۔ ادبار النجوم والی نماز تو پہلے سے آنحضرت پر فرض اور امت کے لیے تطوع کے طور پر چلی آ رہی ہے اس سے پہلے دوروں میں رات کی نماز

Marfat.com

عمومی فرض ایک ہی تھی۔ اس لیے صرف ومن اللیل اس وقت کہہ دینا کافی تھا جو ادبار النجوم والی نماز کو بھی اپنی معنوی وسعت کے دامن میں لے لیتا تھا مگر اس چوتھے دور میں چونکہ عمومی فرض نمازیں دو ہو گئیں۔ اور وہ ادبار النجوم والی بھی باقی رہی، اس لیے اب صرف ومن اللیل کا لفظ کافی نہ تھا۔ تو بصیغہ جمع زلفاً من اللیل فرمایا گیا۔

اس آیت کے نزول کے بعد سے فرض نمازیں چار وقت پڑھی جاتی رہیں دن کو فجر اور عصر رات کو مغرب اور عشاء یہاں تک کہ ہجرت کا حکم ہوا پہلے صحابہ میں سے جو صحابی تیار ہوئے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے صحابہ کی ہجرت کا سلسلہ جاری رہا آخر میں آنحضرتؐ خود اپنے رفیق حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ مکہ معظمہ سے باہر نکلے بالآخر مدینہ طیبہ سے دو میل دور مقام قبا میں پہنچے اور یہاں ٹھہر کر ایک مسجد بنائی اس مسجد میں مدینہ طیبہ کی روانگی سے پہلے ایک شب کو مغرب و عشا کے درمیان سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۳۰ نازل ہوئی۔

Marfat.com

نماز کا پانچواں دور

حکم نماز کی چھٹی آیت :۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآءِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ۝ (طٰہٰ ص۱۳۱)

اے رسول تم صبر کرو اس پر جو مخالفین بولتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح صلوٰۃ ادا کرو طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور اس آنے والی رات کے چند ساعات میں اور اس کے دن کے کناروں کے ساتھ پھر تسبیح کیا کرو تاکہ درجہ رضا کو پہنچو۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اور مومنین کے لئے نماز کے دور مقرر فرمائے تھے جب تک جس دور کو مناسب سمجھا قائم رکھا بعثت کے بعد ہی شروع شروع چوبیس گھنٹے میں صرف ایک ہی نماز کا حکم دیا وہ بھی غیر معین وقت میں جس وقت موقعہ ملے پڑھلو پھر ہلکی سی پابندی کے ساتھ صرف دو وقت کی نماز فرض کی پھر تین وقت پھر چار وقت اور ہر دور کی

Marfat.com

ایک مدت مصلحت خداوندی کے مطابق اپنے علم میں مقرر فرمادی تھی یہ
آیت کریمہ جس رات کو اتری تھی وہ رات اور اس کے بعد والا دن چار
وقت کی نماز کے دور کی آخری رات وہ تھی اور اس کے بعد والا دن آخری
دن تھا اس لیئے فرمایا گیا کہ اس رات کے بعد جو دن آئے اس میں صرف
قبل طلوع شمس و قبل غروب دو ہی نمازیں دن کی پڑھ لو اس کے بعد جو
رات کی آئے گی اگرچہ سابق ہی راتوں کی طرح اس میں نمازیں بلا فرق
پڑھی جائیں گی مگر یہ رات چار نمازوں والی دور کو ختم کر کے آئے گی اس
رات کا تعلق پانچ فرض نمازوں کے دور سے ہوگا اس رات کا جوڑ آنے
والے اطراف النہار کے دن کی تین نمازوں والے دن سے ہوگا اس مفہوم
کو واضح کرنے کے لیئے واطراف النہار واؤ معیت کے ساتھ لایا گیا اس
آیت کریمہ میں دن کی نمازوں کے دو بار ذکر رات کی گھڑیوں کے ذکر
پہلے بھی اور بعد کو بھی۔ پہلے صرف دو وقتوں کا ذکر اور بعد کو بصیغہ جمع
دن کے حصوں کا ذکر بلا وجہ نہیں قران مجید میں کوئی لفظ بغیر مقتضائے
بلاغت کے کسی آیت میں نہیں آیا ہے اگر مقصود طرفی النہار ہی کا مفہوم
تھا اور مراد وہی قبل طلوع و قبل غروب ہی والے دونوں وقت ہوتے
اور بس۔ تو بے ضرورت تکرار لایعنی سے کونسی بلاغت کلام میں آگئی اور
طرفی النہار کو اطراف النہار کہنے میں کونسی ادبی خوبی پیدا ہو گئی؟ کس کو
قبل طلوع اور قبل غروب والی سے انکار تھا یا تکاسل اور تذبذب تھا
جس کے لیئے تاکید کی ضرورت پڑی بے ضرورت تاکید تو فصاحت و بلاغت

Marfat.com

والے تو کجا معمولی زبان داں بھی کسی زبان میں نہیں کرتے۔ نماز کے کسی وقت کا ذکر ایک ہی آیت میں مکرر کیوں آیا اس کو زیر غور لانا ہر مفسر کا فرض تھا اور نہیں کہا جا سکتا کہ اگلے مفسرین نے اس کو محسوس ہی نہیں کیا رازی، بیضاوی و زمخشری ایسے نہ تھے کہ اس آیت کی اس گرہ کی دشواری کو محسوس نہ کرتے انہوں نے محسوس تو کیا مگر افسوس کہ ان کی جانب سے اس بھاری پتھر کو اٹھانے کی کامیاب کوشش نہیں کی گئی۔

ایک اہم نکتہ قرآن حکیم نے رات اور دن کی نمازوں کے اوقات بیان کرنے میں یہ انداز بیان رکھا ہے کہ اگر سابق دور کے اعتبار سے اس نئے دور میں جس کے لئے یہ نئی آیت اتری ہے۔ اگر رات کی نماز میں کوئی اضافہ خاص یا عام فرض عشاء کے بعد ہوا ہے تو ایک ہی جملے میں دن کے ساتھ رات کی نماز کا ذکر نہیں فرمایا گیا ہے بلکہ رات کی نماز یا نمازوں کا ذکر الگ جملے میں ہوا ہے اور اگر کسی نئے دور میں بعد عشاء کی نمازوں میں کسی طرح کا اضافہ سابق دور کے حکم پر نہیں ہوا ہے یا کوئی نئی بات نہیں ہوئی ہے تو ایک ہی جملے میں دن رات دونوں وقت کی نمازوں کا وقت بتا دیا گیا ہے۔

دیکھئے پہلے پہل چوبیس گھنٹے میں ایک ہی نماز فرض ہوئی تھی تو نہ دن کا ذکر تھا نہ رات کا مگر لوگ عموماً دن ہی کو پڑھتے تھے۔ الا ماشاء اللہ اس کے بعد دو وقت نماز فرض ہوئی ایک حین تقوم (جس وقت تم صبح کو اٹھو) یہ دن کی ایک نماز ہوئی اس کے بعد رات کو خاص

طور سے نماز فرض ہو رہی ہے اس لیے رات کی نماز کا ذکر ایک الگ آیت کریمہ میں فرمایا گیا و من اللیل کہہ کر اور ایک نماز خاص رسول کے لیے رات ہی کو ادبار النجوم کے وقت فرض ہوئی۔

پھر جب تین وقت کی نماز فرض ہوئی تو چونکہ رات کو عشاء کی نماز کا ضمیمہ ادبار السجود والی وتر کی نماز بھی سب پر فرض ہوئی اس لیے اس موقعہ پر بھی و من اللیل کہہ کر رات کا ذکر الگ آیت میں فرمایا گیا مگر جب چار وقت کی نماز فرض ہوئی تو فرض عشاء کے بعد نہیں۔ بہت پہلے دن کے ختم ہوتے ہی بالکل آغاز شب میں مغرب کی نماز فرض ہوئی جس وقت رات نے محض پہلا قدم سطح کائنات پر رکھا ہے اس لیے اس کے لیے جو آیت اتری ہے تو ایک ہی جملے میں دن اور رات دونوں وقتوں کی نمازوں کا ذکر فرما دیا گیا

دوسرا نکتہ دوسرا نکتہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب تک رات کے وقت ایک ہی نماز فرض رہی جو آیت اتری اس میں رات کی نماز کا ذکر صرف "و من اللیل" کے لفظ سے فرمایا گیا جس کے ضمن میں ادبار النجوم اور ادبار السجود والی نمازیں بھی آگئیں مگر جب رات کو دو نمازیں فرض ہو گئیں تو اب ادبار النجوم والی نماز لگا کر تین نماز ہو گئیں اور ادبار السجود والی کو بھی ملا لیجیے تو چار نمازیں رات کی ہو گئیں اس لیے زلف من اللیل اور اناء اللیل بصیغہ جمع فرمایا گیا۔ قرآنی آیات میں تدبر کرتے وقت قرآن مجید کی رفعت شان کو ملحوظ نہ رکھنا بعض

Marfat.com

موقعہ پر سخت گمراہ کن نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ ادب عربی سے نابلد ہوتے ہوئے تدبّر فی القرآن۔ قرآن مجید کے ساتھ بڑی بے ادبی ہے۔

ماحصل۔ اس آیت کریمہ[1] میں دوسری آیتوں کی طرح رات کی نمازے پہلے دن کی نمازوں کا ذکر ہے لیکن رات کی نماز کے بعد بھی پھر دن کی نمازوں کا ذکر پہلے سے زیادہ اوقات میں ہے اور کسی رات کے پہلے جو دن گزرا ہو وہی دن اس رات کے بعد نہیں آسکتا۔ یقیناً گزشتہ دن آنے والے دن کا مغائر ہی ہوگا۔ اور دو مغائر دنوں کے دو مغائر حکم بھی ہو سکتے ہیں[2]

---

[1] سورہ طٰہٰ کی اس آیت کی ابتدا فاصبر کے لفظ یعنی صبر کے حکم سے فرمائی گئی ہے آنحضرتؐ کے مکہ سے ہجرت کر لینے کے بعد مکہ مکرمہ میں آپکے اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کیا کچھ نہیں بولتے ہونگے اور مدینہ میں بھی کفار و مشرکین تھے اور قبا جہاں آپ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں اور اسکے اطراف میں بھی کیا نہ تھے؟ پھر یہودیوں کا تو مدینہ طیبہ گڑھ بنا ہوا تھا وہ تو غیر یہودی اہل مدینہ پر بھی اپنا اقتدار قائم کئے ہوئے تھے۔ یہ سب کیا کیا بول رہے تھے۔ آپکو ضرور خبریں مل رہی ہوں گی اس لئے صبر کی تلقین فرمائی گئی اور پنجگانہ نماز جو فرض ہو گئی ان پانچوں نمازوں کو صحیح طور سے پابندی وقت کے ساتھ ادا کرتے رہنے سے بندگی کا اعلیٰ ترین درجہ جو رضا کا ہے وہ حاصل ہوتا ہے یعنی مالک ہی کی رضا کو اپنی رضا بنا لینا راضی برضائے رب رہنا یہ بات پابندی نماز پنجگانہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اسی لئے لعلک ترضیٰ فرمایا گیا۔ غرض اس آیت میں صبر و رضا دونوں کی تلقین ہے۔

[2] یوں تو ہر رات دوسری رات سے اور ہر دن دوسرے دن سے باعتبار تشخص کے مغایرت رکھتا ہے مگر دونوں دنوں کا حکم اگر ایک ہے تو دونوں دن ایک جنس کے

Marfat.com

اور اس آیت میں رات کے پہلے جو دن تھا اس کے لئے وہی حکم ہے جو پہلے دور سے چلا آرہا ہے اور رات کے بعد جس دن کا ذکر ہے اس کے لئے ایک نیا حکم ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس رات سے پہلے جو دن تھا وہ اپنے دور کا آخری دن تھا اور اس رات کے بعد جو دن آیا یہ ایک نئے دور کا پہلا دن ہے رات کے پہلے جو دن تھا اس کے لئے کوئی نیا حکم نہ ہوا وہی طرفی النہار والا حکم قبل طلوع و قبل غروب والا ہی فرمایا گیا مگر رات کے بعد والے دن کے لئے ایک نیا لفظ جو کبھی نہیں فرمایا گیا تھا یعنی "اطراف النہار" فرمایا گیا جس سے دن کے تین حصے مقصود ہیں دو حصے تو قبل طلوع و قبل غروب والے ابتداء سے متعارف ہیں ایک حصہ ان دونوں کے درمیان ہی کا بچا ہوا تھا اب اس میں بھی ایک نماز فرض ہو گئی۔ اور شروع میں دو وقتوں کا اور آخر میں بصیغہ جمع دو سے زیادہ وقتوں کا ذکر کیوں ہوا؟ اس کی توجیہ وجیہ جو میں نے بیان کی ہے اس کو کوئی شخص ادبی حیثیت سے غلط تو کیا کہے گا ضعیف بھی نہیں سکتا اور اس کے سوا کوئی دوسری توجیہ کوئی بیان بھی نہیں کر سکتا اور پھر اس توجیہ وجیہ سے قرآن مجید کی رفعت شان

ہوئے جنسی مغایرت دونوں میں نہیں ہے اور اگر دونوں کے دو حکم ہیں تو جنسی مغایرت دونوں میں ہوئی میری مراد جنس میں مغایرت سے ہے۔ ہر دور کا دن دوسرے دور کے دن سے مغایرت رکھتا ہے اسی طرح ہر دور کی رات دوسرے دور کی رات سے تغایر رکھتی ہے گو بظاہر حکم میں مغایرت معلوم نہ ہو جیسے آخر شعبان میں رمضان کی رویت ہلال والی رات کہ یہ رات کو کھانے پینے ہر بات میں سابق راتوں کی طرح بظاہر جنس ہے مگر اسکے قبل والا دن اسکے بعد والے دن کے مغائر ہے۔

Marfat.com

بلاغت بھی نمایاں ہو رہی ہے مگر افسوس

رمز ہر نکتہ دقیق و طرف بحث عوام　　گر گلو پارہ کنم کس بسخن وا نرسد

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ وَفَضْلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

حکم صلوٰۃ کی ساتویں آیت جس رات کو سورہ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیت اتری تھی اسی رات کو تہجد کی یا نماز صبح کے بعد سورہ بنی اسرائیل کی مسلسل سات آیتیں اتریں ۷۸ سے ۸۴ تک جن میں سے پہلی آیت خاص حکم اقامت صلوٰۃ کے متعلق ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ سورہ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر ہے یعنی اطراف کے دو طرف تو قبل طلوع و قبل غروب پہلے سے معلوم تھے۔ تیسری طرف یعنی دن کا تیسرا حصہ بھی ضروری سمجھا جا رہا تھا کہ قبل طلوع و قبل غروب کے درمیان کا حصہ ہی دن کا تیسرا حصہ ہو سکتا ہے مگر تیسرا حصہ طلوع کے بعد شروع ہو جائے گا۔ اور آثار غروب یعنی زردی و اضمحلال آفتاب سے پہلے ختم ہو گا تو اس گیارہ بارہ گھنٹے کے وقفے میں کس وقت سے ان کے درمیانی حصے کی نماز شروع کی جائے گی اور کون سا وقت اس کا آخری وقت ہو گا انسان اپنی درایت و فراست سے تو ضرور سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے وجعلنا النھار معاشا (ہم نے دن کو انسانوں کے لئے بلکہ ہر حیوان کے لئے معاش کا وقت بنایا ہے) اس لئے دن کے وقت فکر معاش کی فرصت بھی انسان کو ضرور ملنی چاہئے اور عام طور سے انسان طلوع آفتاب سے دوپہر تک فکر معاش میں مصروف

Marfat.com

رہتا ہے دوپہر کو گھر آکر کھاپی کر دوپہر مناتا ہے اس لئے نماز کے لیے دن کا تیسرا حصہ اگر ہو سکتا ہے تو دوپہر کے بعد ہی اس کا وقت شروع ہو گا۔ یہاں تک کہ قبل الغروب والی نماز کا آغاز وقت آجائے جب آفتاب میں زردی آجاتی ہے۔ مگر بنی اسرائیل کی اس آیت میں اس کو واضح بھی فرما دیا۔ ارشاد ہوا

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نماز (کا نظام) قائم کرو دلوک آفتاب سے غسق لیل تک اور فجر کے قرآن کو قائم رکھو بلاشبہ فجر کا قرآن قابل دید و شنید ہوتا ہے۔ (بنی اسرائیل ۷۸)

دلوک کے معنی ہیں کھسکنا۔ آفتاب جب انتہائے عروج خط نصف النہار پر آکر وہاں سے نیچے کی جانب کھسکتا ہے تو اسی کو زوال شمس کہتے ہیں یہ آفتاب کا پہلا دلوک ہے پھر جب تک آفتاب اپنی تابانی پر قائم رہتا ہے اس کی وہی پہلے دلوک والی منزل باقی رہتی ہے جب آفتاب میں زردی آگئی تو یہ اس کا دوسرا دلوک ہو گیا جو قبیل غروب تک باقی رہے گا غروب آفتاب پر اس کی دوسری دلوک کی منزل ختم ہو جائے گی اور غروب اس کا تیسرا دلوک ہوگا جب تک شام کا دھندلکا فضا میں اور شفق آسمان پر موجود ہے آفتاب اپنی تیسری دلو کی منزل

Marfat.com

میں سمجھا جائے گا یہاں تک کہ شفق سفید بھی جو شفق احمر کے بعد افق پر نظر آتی ہے وہ بھی غروب ہو جائے تو غسق اللیل کا وقت آجائے گا شفق سرخ یا سفید آفتاب ہی کے آثار ہیں اور پتہ بتاتے ہیں کہ "ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے"۔ اس لئے غروب شفق آفتاب کا آخری چوتھا دلوک ہے۔ اور حکم ہے کہ دلوک آفتاب کے بعد اقامت صلوٰۃ کرو اس لئے ہر دلوک کے بعد ایک نماز فرض ہوئی ہے۔ دلوک اوّل زوال کے بعد ظہر کی نماز جو اب پہلے پہل فرض ہوئی ہے۔ دلوک دوئم زردی واضمحلال آفتاب کے بعد عصر کی نماز، غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز اور غروب شفق کے بعد عشا کی نماز۔ ظہر، عصر، مغرب، عشا کی نمازیں تو صرف لدلوک الشمس سے ثابت ہو رہی ہیں اور فجر کے لئے قرآن الفجر کی اقامت کا حکم ہوا۔ چونکہ اقم الصلوٰۃ کے حکم کے ماتحت اس جملے کا عطف ہے اور پھر اس سے پہلے دوسرے ہی دور سے صبح کی نماز کا حکم چلا آرہا ہے تیسرے دور سے قبل طلوع الشمس کے صریح لفظوں میں حکم ہے اس لئے قرآن الفجر سے مراد فجر کی نماز ہی سمجھی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ فجر کی نماز میں قرات طویل فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے اس طول قرأت کی پسندیدگی کے اظہار کے لئے صلوٰۃ الفجر کا نام قرآن الفجر رکھا گیا۔ اور فجر کی نماز کا ذکر قرآن الفجر کے پیارے لفظ سے فرمایا گیا جیسے حضرت یونس علیٰ نبینا علیہ السلام کا ذکر ذوالنون کے پیارے لقب سے فرمایا گیا غرض یہ کہ اس آیت سے بھی پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کا

Marfat.com

کا صاف پتہ چل رہا ہے۔

ضد اور غیر مفید ضد زیادہ تر اہل لغت ؎ نے دلوک شمس سے زوال شمس اور غروب شمس کو مراد لیا غروب شمس کی طرف اہل لغت کا رجحان زیادہ ہے کیونکہ بعض کا قول ہے کہ دلوک کے معنی ہی غروب کے ہیں "قرب الموارد" میں دلوک شمس کے معنی زردی آفتاب و غروب آفتاب لکھ کر لقول ضعیف زوال آفتاب دلوک کے معنی لکھے ہیں۔ مگر مصنف کتاب الصلوٰۃ دلوک شمس کے معنی صرف زوال ہی کے لیتے ہیں اور آفتاب کا ایک ہی دلوک تسلیم کرتے ہیں اور وہ صرف زوال آفتاب ہے اور اس زوال کے بعد والی نماز کا وقت زوال شمس کے بعد سے غروب شمس کے قبل تک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ طرفی النہار سے مراد قبل طلوع الشمس، قبل الغروب دو وقت کی دو نمازیں دن کے دونوں حصوں میں اس آیت کے نزول کے قبل سے آ رہی ہیں دونوں کے درمیان کا ایک حصہ بچا ہوا تھا اس درمیان میں زوال کے بعد ایک نماز فرض قرار دی

؎ لسان العرب میں دلوک کے معانی کی لمبی تفصیل لکھی ہے دلکت الشمس تدلک دلوکا غربت وقیل اصفرت ومالت للغروب۔ وقد دلکت زالت عن کبد السماء، یعنی تین معنی ہوئے یعنی غروب آفتاب، زردی آفتاب اور زوال آفتاب اس کے بعد آفتاب کا ایسی جگہ پر آجانا کہ مغرب کی طرف جانے والے کی آنکھوں کے سامنے پڑے اور دیکھنے والے کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہتھیلی یا ٹوپی اور چیز کے اوٹ کے لئے رکھ لینا پڑے آنکھوں کے سامنے آفتاب کے پڑنے کی وجہ سے زردی آفتاب کا وقت غروب سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل سے ہے۔

Marfat.com

گئی۔ دن کی تین نمازیں ہوگئیں قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا دونوں وقتوں میں ہر ایک کا منتہا بتایا گیا ہے مگر کسی کا ابتدائی وقت نہیں بتایا گیا اس لیے کہ عیاں راچہ بیان۔ جس وقت سے آثار طلوع فجر نظر آنے لگیں اس وقت سے قبل طلوع والی نماز کے وقت کی ابتدا ہے اسی طرح جس وقت سے آثار غروب نمایاں ہونے لگیں قبل غروب والی نماز کی ابتدا ہے۔ پو پھٹنے سے جس طرح آثار طلوع کی نمود شروع ہوتی ہے اسی طرح زردی واضحلال شمس سے غروب کے آثار کی نمود شروع ہوجاتی ہے۔ زوال آفتاب کے بعد والی نماز زردی آفتاب کے قبل پڑھ لینی چاہیے الی غسق اللیل نے بتایا کہ نماز کے اوقات زوال شمس کے بعد سے شروع ہوتے ہیں زردی آفتاب کے قبل تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ زردی آفتاب میں آئی اور عصر کا وقت شروع ہوگیا جو قبل الغروب تک رہتا ہے۔ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز کا وقت آگیا جو غروب شفق پر ختم ہوتا ہے، غروب شفق کے بعد ہی عشاء کا وقت آگیا جو ادبار النجوم سے پہلے ختم ہوجاتا ہے۔ غسق اللیل کے معنی مفردات میں شدۃ ظلمۃ لکھا ہے جس کی ابتدا غروب سے ہوتی ہے اور انتہاء ادبار النجوم پر ادبار النجوم رات کا وہ وقت ہوتا ہے جب مغرب کے وقت نکلنے والے تارے نصف اللیل تک پہونچ کر مائل بغروب ہونے لگتے ہیں اور نئے ستارے جو صبح سے کچھ پہلے نکلتے ہیں وہ طلوع ہوجاتے ہیں تو سر پر بھی کچھ بڑے بڑے ستارے آجاتے ہیں اور افق پر بھی اس لیے فضا میں تاروں کی

Marfat.com

روشنی شدۃ الظلمۃ کا رنگ پھیکا کر دیتی ہے اور غسق کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور جب غسق کا وقت ختم ہوا تو نماز عشا کا وقت بھی ختم ہوا اب ادبار النجوم والی نماز تہجد کا وقت آگیا۔

ایک جاہلانہ دعا مصنف کتاب الصلوٰۃ نے دعویٰ کیا ہے، کہ الی غسق اللیل میں الی مع کے معنی میں ہے اور ترجمہ لکھا ہے "صلوٰۃ ادا کیا کرو سورج ڈھلنے کے وقت سے رات کے ابتدائی اندھیرے کے" کوئی بتائے کہ سورج ڈھلنے کے وقت کی معیت رات کے ابتدائی اندھیرے سے کس طرح ممکن ہے، مصنف کتاب الصلوٰۃ کے نزدیک بھی دن کی نماز کا وقت قبل الغروب تک ختم ہو جاتا ہے غروب کے بعد بھی کم و بیش آدھے گھنٹے تک اتنی روشنی رہتی ہے کہ ابتدائی اندھیرا کبھی نہیں کہہ سکتے۔ بہر حال کم سے کم غروب آفتاب تو دن کی آخری نماز اور رات کی اول وقت کی نماز کے درمیان حد فاصل بینہما برزخ لا یبغیان بنا ہوا ہے دونوں نمازوں کی معیت کی کیا صورت ممکن ہو سکتی ہے۔؟ مصنف نے "لغات القرآن" میں جو یہ دیکھ لیا ہے کہ الی مع کے معنی میں بھی آتا ہے اور مثال لا تاکلوا اموالھم الی اموالکم (ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ) کی جو لغات القرآن میں لکھی ہے جواب تبصرہ میں وہی مثال پیش کی ہے اول تو یہاں دونوں مالوں کی معیت مراد ہی نہیں ہے بلکہ مضاف الی اموالکم یا منسوبۃ الی اموالکم اس کی صحیح تفسیر ہے اور الی کو مع کے معنی میں لینا قطعاً غلط ہے۔ ورنہ یتیم کا ولی صرف یتیم ہی کا مال کھائیگا

Marfat.com

اور کہے گا کہ میں اپنے مال کے ساتھ نہیں کھاتا ہوں اپنا مال تو کھاتا ہی نہیں بال بچوں کو کھلاتا ہوں خود صرف یتیم کا مال کھاتا ہوں اپنے مال کے ساتھ یتیم کا مال نہیں کھاتا۔ اسی لیے زمخشری نے مضافۃ یعنی منسوبۃ الی اموالکم کی تفسیر لکھی ہے یعنی یتیم کے مال کو اپنا مال قرار دے کر نہ کھاؤ۔ کوئی یتیم کا مال یہ کہہ کر نہیں کھاتا کہ میں یتیم کا مال کھاتا ہوں وہ یہی کہتا ہے کہ میں اپنا مال کھاتا ہوں۔ حالانکہ وہ یتیم کا مال کھاتا ہے۔ مگر بیضاوی نے مضمومۃ الی اموالکم لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔ مگر یتیم کا مال اور اپنا مال باہم ضم کیا جا سکتا ہے۔ ملا دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے مع کے معنی کا گمان ہوتا ہے اور اردو ترجمہ "ساتھ" کیا جاتا ہے۔ لیکن دن کے بعد زوال والی نماز کو رات کے ابتدائی اندھیرے والی نماز سے کس طرح ملایا جا سکتا ہے؟ کوئی بتا دے۔ زمخشری نے کشاف میں و اذا خلوا الی شیاطینھم کی تفسیر میں الی بمعنی مع پر سخت گرفت کی ہے اور رضی نے کافیہ کی شرح میں جو (بمعنی قلیلاً کی) شرح میں اس پر بحث کی ہے اور اسکو غلط قرار دیا ہے اور معنی اللبیب کی شرح دسوقی میں کیا کیا لکھا ہے اس کو نقل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مصنف الصلوٰۃ کی سمجھ کی سطح سے بہت بلند باتیں ہیں۔ اور عام ناظرین بھی ان باتوں کو نہ سمجھ سکیں گے اور اہل علم خود ان کتابوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر اس کو تو جاہل سے جاہل شخص بھی سن کر ہنس دے گا کہ جو ظہر کی نماز دو بجے دن کو پڑھ رہا ہے وہ رات کے ابتدائی اندھیرے والی نماز سے اپنی نماز کی معیت کس طرح قائم

Marfat.com

کرے گا۔

مصنف الصلوٰۃ نے غسق کے معنیٰ ابتدائی شب کی تاریکی لکھا ہے کہ مغرب کی نماز کو عشا کی نماز قرار دینے کا موقع ملے غروب شفق سے پہلے عشا کی نماز پڑھ لی جائے جو سراسر خلاف قرآن مجید ہے (اور سبیل المومنین کی تو کھلی ہوئی مخالفت کا مصنف پہلے سے ارادہ کر چکے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہر جہتی مخالفت کا) اس لیے کہ قرآن مجید میں گھر کے نوکر چاکر کو، جوان یا مراہق لڑکوں کو خواب گاہ میں بے اجازت آنے سے منع کرنے کا حکم تین وقت ہے نماز فجر سے پہلے اور نماز عشا کے بعد اور جس وقت دوپہر کو خواب گاہ میں قیلولہ کرتے ہیں، مصنف کے نزدیک غروب آفتاب سے غروب شفق ہی تک وقت تک عشا کی نماز کا وقت ہے تو جو شخص غروب آفتاب کے بعد ہی عشا کی نماز پڑھ لے گیا وہ نماز پڑھ کر خواب گاہ میں گھس جائے اور لوگوں کو بے اجازت سامنے آنے سے منع کر دے؟ قرآن نے اس آیت حکم پردہ سے عشا کی نماز کا وقت بتا دیا کہ عشا کی نماز ایسے وقت پڑھی جائے کہ نماز کے بعد باہر کا کوئی کام باقی نہ رہے اور آدمی خواب گاہ ہی میں داخل ہو جائے، اس لیے غسق کے معنیٰ راغب نے جو مفردات القرآن میں لکھے ہیں شدۃ الظلمۃ وہی صحیح معنیٰ ہیں اور ابتدائے شب کی تاریکی غسق کے معنیٰ غلط ہے۔ غسق اللیل کے معنیٰ رات کا بھیگ جانا، گھپ اندھیرا ہونا ہی ہے تاکہ عشا کی نماز پڑھ کر آدمی خواب گاہ میں داخل ہو جائے۔

Marfat.com

ایک اور بات :-

اگر الیٰ غسق اللیل میں الیٰ مع کے معنی میں ہے تو یہ معیت دلوک شمس کی غسق اللیل کے ساتھ ہوگی ایک ہی اقامت الصلوٰۃ میں یعنی نماز ایسے وقت پڑھی جائے کہ یہ دونوں وقت آپس میں ملے جلے ہوں فعل ایک ہی رہے گا۔ صرف دو طرفوں کے درمیان معیت ہوگی جس طرح لاتاکلوا اموالہم الیٰ اموالکم میں معیت اموال الیتیم و اموالکم کے درمیان ہوگی اسی طرح یہاں دلوک الشمس و غسق اللیل کے درمیان معیت ایک ہی اقامت صلوٰۃ میں کس طرح ممکن ہو سکتی ہے مصنف کو بتانا چاہئے۔ اگر دونوں الگ الگ اقامت صلوٰۃ ہوئی تو دو اقامۃ صلوٰۃ ہوئیں ہر ایک کا ظرف زمان دوسرے سے الگ رہا تو نہ دونوں وقتوں میں معیت پیدا ہوئی اور نہ دونوں نمازوں کی اقامت میں۔

حروف الجر جن کو حروف المعانی اور حروف الاضافت بھی کہتے ہیں اس میں سے ہر ایک حرف مختلف معانی رکھتا ہے بعض حروف بعض افعال کے صلہ کی حیثیت سے آتے ہیں۔ ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد کلام عرب میں عموماً اور قرآن مجید میں خصوصاً یہ متعین کرنا کہ یہ حرف یہاں کس معنی میں آیا ہے؟ ایک دشوار کام ہے۔ عربی زبان کے مبتدی بھی جانتے ہیں کہ عربی میں لام انتفاع کا مفہوم رکھتا ہے اور علیٰ میں ضرر کا مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے لہا ما کسبت و علیہا ما اکتسبت "کو دیکھ لیجئے، مگر سورہ بنی اسرائیل کی ساتویں آیت میں ہے وان اسأتم فلہا یہاں علیٰ کے

Marfat.com

عوض لام کیوں آیا ؟ اسکو ایک کہنہ مشق علوم عربیہ کا ادیب ہی سمجھ سکتا ہے من لا یعرف الھر من البر کے مصداق اس کو کیا جانیں۔ اس سے پہلے اگر ان احسنتم فلانفسکم ہوتا تو اس کے مقابل وان اسأتم فعلیہا ضرور کہا جاتا۔ مراد اس وقت یہ ہوتی کہ نیکی کروگے تو اللہ تعالیٰ سے جزائے خیر پاکر منتفع ہوگے اور اگر برائی کروگے تو اس کے عذاب سے تمہیں ضرر پہنچے گا مگر اس سے پہلے ہیں ان احسنتم احسنتم لانفسکم ہے اس کے مقابل وان اسأتم اساتم لانفسکم ہی مناسب ہے مگر اصول اعجاز کے مطابق وان اساتم کے بعد اساتم کے لفظ کو حذف کردیا اور انفسکم کی جگہ ضمیر رکھ دی یہاں صرف احسان یعنی نیکی اور اساءۃ یعنی برائی کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف مقصود ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ نیکی یا بدی تم جو کچھ بھی کروگے اپنے ہی نفس کے لیے کروگے احسنتم لانفسکم میں بھی لام انتفاع نہیں ہے۔ اس مفہوم سے انتفاع پیدا ہوجانا اور بات ہے۔ مگر مفہوم انتفاع پیدا کرنے کے لیے نہیں لایا گیا صرف تعلیل مقصود ہے دونوں جگہ لام تعلیلیہ ہے یعنی تم جو کچھ کروگے اپنے نفس کے لیے کروگے اچھا یا برا جو نتیجہ بھی تم پر مرتب ہوگا تمہارے اعمال کے مطابق ہوگا نیک عملی سے انتفاع اور بد عملی سے ضرر ہونا لازمی ہے اس لیے مفہوم انتفاع وضرر یہاں پیدا ہوجاتا ہے مگر اس مفہوم کو کھول کر بیان کرنا مقصود نہیں ہے اس لیے وان اساتم فلہا فرمایا گیا علیہا نہیں کہا گیا سأل یسئل کا صلہ عن کے ساتھ آتا ہے یسئلونک عن الروح ۔

Marfat.com

یسئلونک عن الاھلۃ مگر سال سائل بعذاب واقع میں عن کی جگہ "ب" کیوں آئی ہے؟ بلوغ کا صلہ الیٰ سے ساتھ نہیں آتا متعدی بنفسہ مگر بالغۃ الیٰ یوم القیامۃ فرمایا گیا ہے۔ یہ الیٰ کیوں آیا؟ ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجا ست۔ جہاں جس حرف جر کو جس معنی میں چاہا لے لیا اور اس دلیری کے ساتھ کہ اس آیت میں اس کے یہی معنی ہیں، بڑی سخت دلیری ہے اسی طرح لغات کے معانی ہیں ایک لفظ کے متعدد معانی ہوتے ہیں۔ دیانت اور خدا ترسی کے ساتھ یہ غور کرنا چاہئے یہاں کون سے معنی چسپاں ہیں جس معنی کو اپنے منشا کے مطابق چاہا لے لیا اور کہدیا کہ بس یہی معنی یہاں مراد ہیں، یہ افتراء الکذب علی اللہ ہے یفترون علی اللہ الکذب کا مصداق بنتا ہے۔

اہل غوایت کا رویہ یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ سب سے پہلے کوہ حرا پر منصب نبوت سے سرفراز ہو چکنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حکم صلوٰۃ کی جو وحی آئی تھی وہ سورہ عنکبوت کی مندرجہ ذیل آیت حضرت جبریل نے آپ کے سامنے پیش کی تھی۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۝

ترجمہ:۔ پڑھو اس کتاب سے جو وحی تم پر کی گئی ہے۔ اور نماز کی پابندی قائم رکھو حقیقت یہ ہے کہ نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اور

Marfat.com

تم لوگ جو کچھ کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم رہے گا

مگر اس کو کیا کیجیے کہ اہل غوایت اس کا انکار ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ اہل غوایت کا یہ دستور ہے کہ اپنے منشار کے خلاف تو قرآنی آیت بھی نہ مانیں گے۔ البتہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں محض وہمی و قیاسی اقوال متاخرین کے پیش کریں گے۔ قرآن مجید کے بعض لفظ کے معنی اپنے منشار کے مطابق اگر کسی عربی کتاب میں نہیں ملیں گے تو وہ فارسی کی کتاب لغت کا حوالہ پیش کریں گے۔ مگر ان کے سامنے اگر قرآنی آیت پیش کر دیجیے تو کہدیں گے۔ کہ یہاں سجدے سے مراد نماز نہیں ہے محض اطاعت تواتی ہے تطوع یعنی فرض کے علاوہ نفل عبادت بلکہ ہر کار خیر کے متعلق عام طور سے آیت میں دکھائیے۔ مگر چونکہ وہ آیت فدیہ صوم کے سلسلے میں مذکور ہے۔ اس لئے باوجود لفظ کے عام ہونے کے اسے فدیہ کیلئے مخصوص بتائیں گے۔ مگر چودہ سو برس سے جو احکام دین ثابت شدہ ہیں اگر وہ ان کے منشار کے خلاف ہیں تو انکار کریں گے۔ یہ لوگ اپنی غوایت کی وجہ سے تاریخی روایات جن کا تعلق احکام دین سے ہے۔ اور جن کو قرآن مجید سے باہر ہی ہونا چاہیے۔ اگر ان کے منشار کے خلاف ہیں تو بلا دلیل ان کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں صرف اس لئے کہ وہ روایت ہے۔ لیکن ان کو معلوم نہیں ؟ کہ عہد نبوی یا عہد خلفائے راشدین کے واقعات روایت ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں آغاز بعثت کے واقعات بعثت کے بعد کے واقعات مشرکین مکہ

Marfat.com

کی مخالفتوں اور مظالم کی داستان پھر ہجرت کے واقعات: تاریخ وسیرت اور حدیث کی روایتوں ہی سے مل سکتے ہیں اس میں شک نہیں کہ بہت سی روایتیں جھوٹی بھی ہیں۔ مگر سب اگر سچی نہیں تو سب جھوٹی بھی نہیں ہیں۔ قرآن مجید کا حکم ہے۔

ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا اگر کوئی فاسق آدمی کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیقات کر لیا کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرو اور اس کو جھٹلا دو جو روایت قرآن مجید کے صریح خلاف ہو یا عقل سلیم کی درایت کے خلاف ہو یا کسی مشہور تاریخی واقعے کے خلاف ہو تو ضرور اس کو رد کیجیے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحیٰ من حی عن بینۃ (جو شخص گمراہی میں ہلاک ہو تو اس کی موت دلائل کی رو سے ثابت ہو اور جو شخص ہدایت کی زندگی حاصل کرے تو دلائل کی روشنی میں زندہ ثابت ہو) (الانفال ۴۲) بہر حال ممکن ہے کہ کوئی غوا یتی کوہ حرا کے واقعے ہی کا انکار کر دے کہ کوہ حرا کا تو نام قرآن مجید میں نہیں اور نہ اس آیت کے پہلے پہل بحیثیت حکم نماز کے تسلیم کرے اور نہ قرآنی دلیل یہ پیش کرے کہ کشمیری بازار لاہور کے مطبوعہ قرآن کے شروع میں سورتوں کی ترتیب نزول کے مطابق اس میں ہر سورہ کا نمبر چھپا ہوا موجود ہے اور سورہ عنکبوت کا نمبر اس میں ۸۵ ہے اس کے بعد ایک ہی سورہ مطففین مکے میں اتری ہے یعنی تقریباً ۱۲ نبوی میں سورہ عنکبوت کا نزول ہے اس کی صرف ایک آیت آغاز بعثت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

پر کیسے اتر سکتی ہے ۔ قرآن مجید کے ساتھ چھپی ہوئی فہرست بمنزلہ سور باعتبار ترتیب نزول کے جو چیز ثابت ہو وہ قرآن مجید ہی سے ثابت بھی جائیگی کیونکہ وہ فہرست قرآن مجید کے ساتھ چھپی ہے عجب کیا ہے ؛ کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہی نے ترتیب نزول کے بمنزلہ بھی پریس مینجر صاحب کو بتلائے ہوں ۔ ان باتوں کا جواب تو لفظ "روائتی" کے عنوان کے ماتحت دلائل و براہین کے ساتھ آپ دیکھ لیں ۔

غوائتی صاحب تو اپنے خلاف صریح قرآنی آیت کو بھی نہیں مانتے کیا امید ہو سکتی ہے ۔ کہ وہ اپنی غوایت سے کبھی باز آئیں گے ۔

سورۂ بنی اسرائیل کی سات آیتوں کے تفسیری نکات :۔

اس رسالہ کے اختتام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی ان سات آیتوں (از ۷۸ تا ۸۴) کے چند اہم تفسیری نکات اجاگر کر دیئے جائیں جن آیتوں کا تذکرہ "حکم صلوٰۃ کی ساتویں آیت" کے تحت کرتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ وہ مسجد قبا میں نازل ہوئیں ۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

Marfat.com

ترجمہ :۔ نماز کا نظام قائم کرو آفتاب کے دلوک[1] کے بعد سے غسق الیل تک اور فجر کی نماز میں قرآن کی طویل قرأت قائم کرو۔ بلاشبہ فجر کا قرآن قابل شنید ہوتا ہے ——— اور رات کو (سو کر اٹھنے کے بعد تہجد کی نماز پڑھا کرو یہ تمہارے لئے ایک فاضل فریضہ ہے وہ وقت قریب ہے کہ تمہارا رب تم کو مقام محمود پر فائز کردے اور دعا یوں کرو کہ اے میرے رب تو مجھ کو جہاں پہونچا سچی کامیابی کے ساتھ پہونچا اور جہاں سے مجھ کو نکال سچی کامیابی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے مجھ کو فتح و نصرت والا اقتدار عطا فرما۔ اور کہو حق پہونچ گیا اور باطل بھاگ نکلا باطل تو بھگوڑا ہی ہوتا ہے اور ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں ایسی آیتیں اتارتے رہیں گے جو مومنین کو شفا اور رحمت ہوگی مگر ظالموں کے لئے خسارے اور گھاٹے میں زیادتی ہوگی۔ اور ظالم انسان کا تو یہ عالم ہے کہ جب اس کو ہم نے نعمتوں سے نوازا تو ہم سے روگردانی کرنے لگا اور اپنے زعم پر اترانے لگا اور جب کسی مصیبت سے اس کو سابقہ پڑا تو (ہماری رحمت سے) ناامید ہو بیٹھا تم ان لوگوں سے کہدو کہ ہر شخص اپنی افتاد طبع کے مطابق عمل کرتا ہے مگر تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون پوری طرح سیدھی راہ پر ہے (اور رہے گا)

(۱) ان آیتوں میں سے سب سے پہلی آیت میں تو ایک اور نماز کا اضافہ کرکے پوری پنجگانہ نماز جو اگلی امتوں پر بھی فرض تھی۔ اس کی تکمیل فرمادی جس کی مکمل بحث اصل کتاب میں موجود ہے۔

---

[1] دلوک شمس اور غسق لیل کی بحث اصل کتاب میں موجود ہے

Marfat.com

۲ جو غیر قرآنی وحی کسی دینی بات کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی وقت آئی ہے اس کا ذکر کسی نہ کسی موقع پر قرآن مجید میں ضرور ہی فرما دیا گیا ہے تاکہ وہ وحی بالکل غیر قرآنی نہ رہے جس نماز کو نماز تہجد کہتے ہیں یہی نماز ادبار النجوم والی نماز ہے جو اس وقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض چلی آرہی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض اور سارے مومنین پر صرف دو وقت کی نماز فرض ہوئی تھی مگر غیر قرآنی وحی سے آپؐ کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ یہ ادبار النجوم والی نماز صرف آپؐ ہی پر فرض ہے۔ عام مومنین پر نہیں یہاں اس میں صرف اتنی بات بڑھا دی گئی کہ ذرا سو کر کچھ دیر آرام کر کے اٹھنے کے بعد یہ نماز پڑھا کیجئے اب یہ اس لفظ تہجد[1] کے سبب سے اسی ادبار النجوم والی نماز کا نام تہجد پڑ گیا ورنہ یہ کوئی نئی نماز آپؐ پر اس وقت فرض نہیں ہوئی۔ اب اس نماز کی آپؐ کے لئے مخصوص فرضیت غیر قرآنی نہ رہی قرآنی ہو گئی نافلۃ لک فرما دینے کی وجہ سے۔

۳ مقام محمود ایک بہت بڑا درجہ ہے جو آپ کو ملا جس کو ہر شخص قیامت کے دن دیکھ لے گا انشاء اللہ

۴ رب ادخلنی والی دعا میں پہلے داخل کئے جانے کے بارے میں دعا ہے اس کے بعد خارج کئے جانے کے بارے میں، بظاہر الٹی بات معلوم

---

[1] جسطرح وضو یا غسل کیلئے پانی نہ ملے تو حکم ہوا پاک مٹی کیطرف قصد کرو تیمم کے معنی ہیں قصد کرنا۔ مگر اب وضو یا غسل کے بدلے مٹی پر ہاتھ مار کر منہ اور ہاتھ پر مسح کرنیکا نام ہی تیمم پڑ گیا اسی طرح یہاں بھی سمجھیں۔

Marfat.com

ہوتی ہے، آپؐ تو پہلے مکہ مکرمہ سے نکلے تھے اس کے بعد مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اس لئے پہلے نکلنے کے بارے میں دعا کرنی چاہیے تھی۔ ٹھیک ہے اگر اصل مقصود مکہ سے نکل جانا ہوتا۔ تو پہلے اخراج ہی کی دعا کا حکم ہوتا۔ مگر مکہ مکرمہ سے اخراج تو ہو چکا آپؐ مقام قبا میں پہونچ گئے جہاں سے مدینہ طیبہ صرف دو میل پر ہے۔ اب اخراج کے متعلق دعا کیسی؟ البتہ اب مدینہ طیبہ میں داخلہ باقی ہے اور اصل مقصود صرف مکہ مکرمہ سے نکل جانا تو تھا نہیں اصل مقصود تو کامیابی کے ساتھ مدینے میں داخل ہو جانا ہے اگر مدینہ طیبہ میں آپ کا داخلہ مبارک اور سچی کامیابی والا ہے تو مکہ مکرمہ سے آپ کا نکلنا بھی مبارک اور سچی کامیابی والا ہے۔ اخراج کا مبارک و کامیاب ہونا موقوف ہے مدینے میں داخلے کی کامیابی اور مبارک ہونے پر تو اصل کامیابی کی دعا کو مقدم قرار دیا یعنی ہمارے مدینے میں داخلے کو سچی کامیابی عطا فرما تاکہ مکہ مکرمہ سے ہمارا اخراج ہمارے مدینہ منورہ میں داخلہ کی سچی کامیابی کا باعث اور مبارک ہو۔

(۵) مدینہ طیبہ اور اس کے اطراف میں بھی وہی جاہلیت تھی جو مکہ مکرمہ کے مشرکین میں تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں پہونچنا حق و صداقت تھا تو باطل کا وہاں سے بھاگ نکلنا ضروری تھا اس لئے اس کے اعلان کا حکم بھی فرمایا گیا کہ تم خود اعلان کر دو کہ حق آگیا اور باطل بھاگا۔ اور باطل کی فطرت ہی ایسی ہے کہ جب حق کا اور اس کا مقابلہ ہوگا تو حق کے سامنے اس کا قدم نہیں ٹھہر سکتا۔

Marfat.com

(۶) قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۸۶ سورتیں مکہ مکرمہ میں اتر چکی تھیں۔ یہ گمان ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ مکمل اتر گئی ہے اب کوئی اور حصہ اس کے اترنے کے لئے باقی نہیں ہے یہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اشارۃً فرما دیا گیا ہے۔ کہ بہت کچھ قرآن مجید کا اترنا باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم "ایسی ایسی سورتیں اور آیتیں اور اتارنے والے ہیں جو مومنین کی قلبی و روحانی امراض کے لئے شفا و رحمت ثابت ہوں گی مگر جو لوگ اپنے نفس پر آپ ظلم کرنے والے ہیں ان کو اس کتاب سے نفع نہیں گھاٹا ہی ہوگا۔ ظلم کی وجہ سے وہ گھاٹے ہی میں رہیں گے۔ اس کتاب کی آیتوں کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے ان کا خسارا اور بڑھتا جائے گا۔

(۷) اس کے بعد عام انسانی فطرت بھی بتادی گئی کہ دولت و ثروت ملے تو انسان نافرمانی و سرکشی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اگر تکلیف و مصیبت سے واسطہ پڑے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مایوس ہو جاتا ہے ہر شخص کا کام اس کی دفتار طبع ہی کے مطابق ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ کون راہ ہدایت پر ہے کون بعد میں راہ ہدایت اختیار کرے گا۔ آیتیں مکہ مکرمہ سے نکلنے وقت مدینہ پہونچنے سے پہلے نازل ہو گئیں تھیں تاکہ ہر مومن کو معلوم رہے کہ ابھی نزول قرآن کا سلسلہ باقی رہے۔

(۸) سورہ بنی اسرائیل مکی ہے صرف یہ سات آیتیں مدنی ہیں مگر چونکہ مدینہ پہونچنے سے پہلے اثنائے راہ میں اتریں اس لئے بعضوں نے پوری

Marfat.com

سورت کو مکی لکھا ہے مگر اکثروں نے ان سات آیتوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔
اور ان کو مدنی قرار دیا ہے اس لئے کہ مدینہ کے جوار (قبا) میں اتری تھیں
غرض مدینہ طیبہ پہنچتے ہی پانچ وقت نمازیں پڑھی جانے لگیں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے سے پہلے جو مہاجرین مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آ گئے
تھے اور انصار بھی آپ کے تشریف لانے تک چار نمازیں پڑھتے رہے پھر آپ
نے ان کو پانچ نمازیں پڑھانی شروع کر دیں۔

Marfat.com

نگاہ بازگشت

اب ہم آخر میں رسالہ ہذا میں پھیلے ہوئے مباحث کا ایک خلاصہ درج کئے دیتے ہیں تاکہ ناظرین کے سامنے نماز پنجگانہ کی تدریجی فرضیت کا پورا نقشہ آجائے

نماز کا پہلا دور ۲۴ گھنٹے میں صرف ایک وقت کی نماز بغیر تعیین وقت کے جس وقت موقع ملے پڑھ لے :-

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ
مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ
الْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝

"اس کتاب سے جو وحی تمہاری طرف کی گئی ہے اس کی تلاوت کیا کرنا۔ اور اس نماز کی پابندی قائم رکھنا (جس کی تمہیں تعلیم دی گئی ہے) بے شک نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے (انسان کو) روک دیتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بڑا سہارا ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ بھی کروگے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے" (عنکبوت ع ۵ اکسویں پارے کی ابتدا)

یہ آیت کریمہ سب سے پہلی آیت ہے حکم نماز کی جو کوہ حرا ہی پر اتری تھی ہر نبی کو منصب نبوت جس وقت عطا ہوا اسی وقت ان پر

Marfat.com

نماز فرض ہوئی۔ سورہ طٰہٰ کا پہلا رکوع اور آیت ۱۴ پڑھیے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو کوہ طور پر نبوت و رسالت ملی تو اسی وقت ان کو حکم ہوا تھا کہ اقم الصلوٰۃ لذکری مجھ کو یاد رکھنے کے لئے نماز کی پابندی قائم رکھو۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوہ حرا پر خلعت نبوت عطا کرنے کے بعد اس آیت کریمہ کے نزول سے پہلے جو سورہ فاتحہ کے نزول کے وقت عبادت کے صحیح مفہوم کی وحی غیر متلو کے ذریعہ سمجھایا گیا تھا اور نماز کے ارکان واذکار و طریقہ ادا کی تعلیم فرمائی گئی تھی۔ یہاں بذریعۂ الف لام عہد اسی صلوٰۃ کی پابندی کا حکم ہوا۔ مگر کوئی وقت اس کے لیے معین کر کے نہیں بتایا گیا اس لیے ہر چوبیس (۲۴) گھنٹے میں صرف ایک بار کسی وقت فرض رہی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور تطوّع یعنی نفل اور بھی جب ولولۂ عبودیت پیدا ہوا پڑھ لیا کرتے تھے۔ جب اہل وعیال کو پابندی نماز کا حکم ہوا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ہاتھ پر اور بھی آٹھ دس سعید روح والے ایمان لے آئے یہ سب اسی آیت کے حکم کے مطابق صرف ایک وقت دو رکعت نماز فرض ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔ جس کو موقع مل جاتا تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقتدی بن کر پڑھ لیتا تھا ورنہ تنہا ہی سہی۔ جہاں موقع ملا۔ دوسرے مومنین بھی فرض کے علاوہ تطوّع یعنی نفل بھی پڑھ لیتے تھے۔

Marfat.com

دوسرا دور جس میں وقت کے تعین کیساتھ دو وقت کی نماز ہر مومن پر فرض ہوئی

۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ

فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝

"تو اپنے رب کے حکم (کی تعمیل) پر ثابت قدم رہو (مخالفوں سے ڈرو نہیں) کیونکہ تم ہماری نگہداشت میں ہو اور (نماز کے ذریعے) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح ادا کرو جس وقت تم (صبح کو) سو کر اٹھو اور رات کے کسی حصے میں پھر (اپنے) اس (رب) کی تسبیح (نماز کے ذریعے) ادا کرو۔ اور جس وقت تارے پچھلے پاؤں پھرنے لگیں (یعنی وسط آسمان پر آکر مغرب کی طرف جھکنے لگیں) سورہ طور کی دو آیتیں) ایک وقت کی نماز بغیر پابندی وقت کے پہلے پہل فرض ہوئی تھی تو مومنین کو تو بہت زیادہ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مشرکین مکہ حرم کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھ کر پریشان کرتے رہتے تھے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین حرم کعبہ میں نماز پڑھتے تھے مگر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے۔ بیت المقدس یہودیوں کا قبلہ تھا۔ مشرکین مکہ بنی اسمٰعیل تھے۔ یہودی بنی اسرائیل اہل مکہ بنی اسمٰعیل کو ذلیل و حقیر سمجھتے تھے۔ کعبہ مکرمہ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیٰ نبینا و علیہما السلام کا تعمیر کردہ تھا اگرچہ اس وقت مشرکین مکہ نے اس کو بت خانہ بنا رکھا تھا۔ اہل مکہ بنی اسمٰعیل کو ناگوار تھا کہ کعبہ مکرمہ

Marfat.com

کو چھوڑ کر بیت المقدس یہودیوں کے قبلہ کو اپنا قبلہ کیوں بنا رکھا؟
کعبہ مکرمہ کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے تو بظاہر ان بتوں کی طرف سجدہ
ہوتا جو حرم کعبہ مکرمہ میں رکھے ہوئے تھے۔ تو ایک وقت کی نماز تو
وہ مشکل سے چھپ چھپ کر پڑھتے تھے۔ اب دو وقت کی نمازیں فرض کی
جا رہی ہیں۔ ایک دن کو صبح کو رات بسر کر کے جس وقت اٹھو نماز پڑھ
لو۔ دوسری رات کو کسی وقت غروب آفتاب سے لے کر ادبار النجوم
یعنی قبل تک کے درمیان یعنی آدھی رات سے پہلے۔ اس لیے پہلے تعمیل
حکم پر ثابت قدم رہنے جمے رہنے کی تاکید فرمائی گئی۔ مخالفوں کی
مخالفتوں کے متعلق اطمینان دلایا گیا گھبراؤ نہیں تم ہماری نگہداشت
میں ہو۔ تمہارا کوئی ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔

یہ دو وقت کی نمازیں تو عام فریضے کی حیثیت سے رہیں۔ تیسری
نماز ادبار النجوم والی جو نصف شب کے بعد سے طلوع فجر کے قبل تک
کے درمیان پڑھی جائے گی اس کے متعلق وحی لانے والے فرشتے جبریل ؑ
نے بتا دیا کہ یہ نماز صرف آپ ؐ پر فرض ہے مومنین بھی تطوع کی حیثیت
سے پڑھ سکتے ہیں۔ ومن تطوع خیرا فھو خیر لہ جو شخص کار خیر اپنی
خوشی دلی سے کرے اس کے لئے بہتر ہی ہے۔

Marfat.com

تیسرا دور تین وقت کی نماز ۔ تعیین اوقات

فاصبر علیٰ ما یقولون وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ومن الیل فسبحہ وادبار السجود
تو (مخالفین) جو کچھ بولتے ہیں اس پر صبر کرو ۔ اور (نماز کے ذریعے)
اپنے رب کے حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو طلوع آفتاب سے پہلے اور
غروب سے پہلے ۔ اور رات کے کسی حصے میں (ادبار النجوم آدھی رات سے
پہلے) اور سب نمازوں کے بعد (ق ع ۳۹ و ۴۰)

جب تک ایک وقت کی نماز فرض تھی ۔ مشرکین جس کو نماز پڑھتے
دیکھتے تھے اس کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے منع کرتے تھے ۔ ہاتھ پکڑ کے
کھینچ لیتے تھے اسی قسم کی شرارتیں کرتے تھے ۔ جب دو وقت کی نماز فرض ہوئی
تو پہلے سے زیادہ وہ مومنین کو نماز پڑھتے دیکھنے لگے تو نمازیوں کا مضحکہ
کرنے لگے اور بدزبانی و بدگوئی سے پیش آنے لگے ۔ اس لئے اس آیت میں
پہلے مخالفوں کی بدزبانی و بدگوئی اور مضحکہ پر صبر کرنے کے لئے فرمایا گیا
اور اب تین وقت کی نماز فرض ہوئی ۔ دن کو دو وقت کی نماز فرض ہوئی
پہلی نماز تو وہی رہی جو دوسرے دور میں تھی جس کا وقت حین تقوم
بتایا گیا تھا یعنی جس وقت سو کر اٹھو ۔ مگر دوسرے دور میں آزادی
تھی دن چڑھے بھی اٹھے تو اسی وقت نماز پڑھ لی ۔ تیسرے دور میں
اس میں قبل طلوع الشمس کی قید لگادی گئی ۔ یعنی سحر خیزی کا حکم بھی
ہو گیا ۔ اب ضروری ہو گیا کہ ہر مومن رات بسر کر کے اتنا
سویرے فجر کے وقت اٹھے کہ حاجت ضروریہ سے فارغ ہو کر طلوع

Marfat.com

آفتاب سے پہلے دن کی پہلی نماز پڑھ لے. اسی لیئے اس نماز کا نام ہی صلوٰۃ الفجر رکھ دیا گیا. اور جس دن کے ابتدائی حصے میں ایک نماز فرض کی گئی اسی طرح دن کے آخری حصے میں دوسری نماز فرض کی گئی جس کا صرف آخری وقت تبایا گیا کہ اوّل بآخر نسبتے دارد اوّل وقت کی نماز سے آخر وقت کی نماز کی ابتدا سوچنے سے ہر ذہین آدمی خود سمجھ لے سکتا ہے انسان ہی نہیں حیوان بھی اسی وقت سو کر اٹھتے ہیں جب طلوع آفتاب کے آثار نمایاں ہوتے ہیں. طلوع فجر نام ہی ہے. آثار طلوع آفتاب کی نمود کا. جو شخص رات بھر یا آدھی رات سے جاگ رہا ہے اس کے لئے اس رات کو حین تقوم (جس وقت تم سو کر اٹھو) کا وقت کہاں ہے؟ وہ تو رات بھر سویا ہی نہیں. یا آدھی رات سے جاگ رہا ہے. دراصل حین تقوم سے مراد یہ ہے کہ جس وقت عام طور سے سونے والے صبح اٹھا کرتے ہیں. یہ سمجھ کر کہ اب دن ہو گیا. یہ مطلب نہیں کہ نو دس بجے رات کو کوئی سویا اور بارہ بجے اٹھ گیا تو اس کے لئے حین تقوم والی نماز فرض ہو گئی رات بسر کر کے یہ سمجھ کر کہ اب رات ختم ہو گئی دن ہو گیا چاہے وہ دن کی بالکل ابتدا ہو پو پھٹنے کا وقت یا اسفار کا وقت یعنی پرچھا ہو جائے. مگر انفرادی طور سے دور اوّل میں آزادی تھی کہ اگر کوئی طلوع آفتاب کے بعد تک ابھی سویا ہی رہا اور دن چڑھے اٹھا تو اس کے لئے وہی وقت ادائے فریضہ کا تھا دوسرے دور میں قبل طلوع الشمس کی قید لگا کر سحر خیزی پر ہر مومن کو مجبور کر دیا گیا. کہ حین تقوم والی نماز کو طلوع آفتاب

Marfat.com

سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔ آج بھی اگر کسی مومن کی آنکھیں ایسے وقت کھلیں کہ آفتاب طلوع ہو چکا ہے تو اس کے لئے وہی حین تقوم والے حکم کے مطابق اسی وقت وہ دن کی پہلی نماز پڑھے گا۔ اسی لیے حدیث نبوی میں بھی اسی کے مطابق تعلیم ہے۔

غرض آثار طلوع آفتاب کی نمود سے جس طرح دن کی نماز کی ابتدا کے وقت سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح آثار غروب آفتاب کی نمود سے دن کی دوسری نماز کے وقت کی ابتدا کیوں نہیں سمجھی جائے گی؟ غروب آفتاب کے آثار شروع ہوتے ہیں۔ زردی آفتاب سے جب آفتاب میں نمایاں طور سے زردی آجائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ دن کی آخری نماز جس کو عصر کی نماز کہتے ہیں اس کا وقت آگیا۔ جس کو غروب آفتاب سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔ رات کی نماز اس تیسرے دور میں وہی رہی جو دوسرے دور میں تھی۔ یعنی غروب آفتاب کے بعد سے ادبار النجوم کے قبل تک کے اندر ادبار النجوم کے بعد طلوع فجر کے قبل تک ایک خاص نماز کا وقت ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو فرض مگر عام مومنین کو تطوعاً پڑھ لینا باعث ثواب مزید ہے۔ اور ایک فریضے کے وقت کو دوسرے فریضے کے وقتیں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ ادبار النجوم والی نماز عام مومنین پر نہ سہی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو فرض تھی۔ اسی لیے جو مومن تہجد کا پابند ہے اس کو عشا کی نماز آدھی رات سے پہلے پڑھ لینا لازم ہے۔ جو تہجد کا پابند نہیں ہے اس کے لیے نصف شب کے بعد نماز عشا مکروہ ہے۔

Marfat.com

اس آیت میں رات کی نماز کا ایک ضمیمہ بھی بتایا گیا ہے۔ ادبار السجود یعنی سب نمازوں کے بعد آخر میں ایک اور نماز پڑھ کر ایک شبانہ یوم کی نمازوں کے سلسلے کو اسی پر ختم کرو۔ مگر اس آخری نماز کے متعلق بذریعہ وحی غیر متلو حضرت جبریلؑ نے حضورؐ کو مطلع کیا کہ ہر نماز تو دو دو ہی رکعت پڑھی جاتی آ رہی ہے مگر یہ آخری نماز تین رکعت پڑھی جائے گی اسی لیے اس نماز کا نام وتر رکھا گیا اور یہ نماز سب کے لیے فرض ہے۔ وتر کے معنی ہیں طاق یعنی اعداد میں جو عدد برابر دو جگہ تقسیم نہ ہو سکے جیسے ایک تین، پانچ، سات اور نو یہ نماز تین رکعت پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے اس کی رکعتیں طاق ہیں تو اس کا نام وتر رکھا گیا۔ مگر یہ کوئی مستقل فریضہ نہیں ہے اسی لئے نہ اس کے لئے اذان ہوتی ہے نہ مسجد کی حاضری نہ جماعت اور نہ اس کا کوئی وقت معین ہے۔ بجز اس کے کہ ومن اللیل کے بعد اس کا ذکر ہے۔ اس لیے رات ہی کو پڑھی جائے گی۔ اور رات کی سب نمازوں کے بعد پڑھی جائے گی۔ فرض نفل تہجد جو کچھ بھی پڑھنا ہے سب کے بعد اس تین رکعت کو پڑھنا لازم ہے یہ وتر کی نماز دراصل ضمیمہ ہے رات کی نمازوں کا جو شخص رات کے وقت صرف فرض پڑھے۔ سفر یا مرض یا کسی سخت مصروفیت کی وجہ سے وہ فرض کے بعد فوراً پڑھ سکتا ہے۔ جس کو فرض کے علاوہ کچھ پڑھنا ہے وہ سب نمازیں پڑھنے کے بعد وتر کی نماز پڑھ لے۔

Marfat.com

چوتھا دور چار وقت کی نمازیں ۔ تعیین اوقات :۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡھِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ ۝

"نماز کی پابندی قائم رکھو دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں۔ بلا شبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ ایک بڑی نصیحت ہے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے والوں کے لئے" (ہود ۱۱۴)

اس دور میں دن کے وقت تو وہی دو نمازیں رہیں جو تیسرے دور میں فرض ہوئی تھیں البتہ اس آیت نے دن کی ان دونوں نمازوں کے اوقات کا اندازہ بتا دیا طرفی النہار فرما کر طرف کے معنی آنکھ یا نظر کہنا ۔۔۔۔۔ تو جہالت ہے آنکھ یا نظر کے معنی میں طرف بروزن حرف یا سمت یعنی بسکون رائے مہملہ اور یہاں بفتح رائے مہملہ ہے اور سمت کے معنی میں اردو فارسی میں مستعمل ہے عربی میں نہیں۔ کسی وسیع چیز کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جس کا ترجمہ کنارہ کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ دن کا آخری کنارہ تو اس کا ایک سکنڈ ہے اول درجے کی ہٹ دھرمی۔ "آخری" کا لفظ اپنی طرف سے کیوں بڑھاتے ہیں، دریا کے کنارے کشتی آ لگی، اس سے دریا کا آخری حصہ جو سامل سے قریب ہو وہی مراد ہوتا ہے طرفی النہار سے دن کا ابتدائی حصہ اور آخری حصہ ہی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اور نزول آیت کے وقت سے اس وقت تک جس عربی دان نے بھی اس آیت میں طرفی النہار کا لفظ دیکھا اس سے دن کے دونوں حصے اول روز اور آخر روز ہی سمجھا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا

Marfat.com

مفہوم جو شخص بھی بتائے گا وہ اول درجے کا مفتری و محرف ہی سمجھا جائے گا۔

طرفی النہار کا لفظ یہ بھی بتا رہا ہے کہ دن کے دونوں کناروں کو جو دو نمازوں کے اوقات سے بتائے ہیں تو دونوں نمازوں کے وقت کو تقریباً برابر ہی ہونا چاہیئے۔ اگر ابتدائی حصہ دو گھنٹے کا ہے تو آخری حصے کو دو ہی گھنٹے کا ہونا چاہیئے۔ دس پانچ منٹ کا فرق ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک کنارہ تو دو گھنٹے کا ہو اور دوسرا کنارہ پانچ گھنٹے کا۔ دو طرف دو کناروں کے معنی ہی یہ ہیں کہ دونوں طرفوں دونوں کناروں کے درمیان کچھ حصہ درمیان کا بیچ کا بھی ضرور ہونا چاہیئے دریا کے دو کنارے ہوتے ہیں تو بیچ دریا بھی دریا کا ایک حصہ ہوتا ہے جو اول و آخر حصوں سے بہت بڑا ہوتا ہے اسی طرح طرفی النہار دن کے دونوں حصے ابتدائی حصہ اور آخری حصہ ان دونوں کے درمیان ایک بیچ کا حصہ بہت زیادہ بڑا ہونا چاہیئے یعنی دن کے ساعات کو تین حصوں پر تقسیم کرنا ہوگا۔ ابتدائی ساعات اور آخری ساعات اور درمیانی ساعات۔ ابتدائی و آخری ساعات کا برابر ہونا ضروری ہے درمیانی ساعات کے وقفے کو ان دونوں ساعات سے کئی گنا زیادہ بڑا ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ نماز ہی کے اوقات بتاتے ہوئے اطراف النہار کا لفظ بھی فرمایا گیا ہے جس کی بحث پانچویں دور میں آئے گی۔ لیکن دن کے

Marfat.com

ان تینوں حصّوں کے اوقات یعنی ساعات کی تعیین کس طرح کی جائے دریا کا پاٹ مثلاً بارہ سو فٹ کا ہو تو ایک ایک سو فٹ کی مسافت اس کے دونوں کناروں کے لیے اور ایک ہزار فٹ درمیانی حصّے کے لیے تجویز کریں گے۔ دن کے بارہ گھنٹوں میں سے سوا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہی دونوں کناروں کے لیے دیں گے باقی گھنٹے درمیانی حصّہ ہوگا۔ پہلے کے لیے اوّل روز کے پہلے حصّے کے آخری وقت کی تعیین کافی ہے اس لیے کہ دن کی ابتدا طلوع فجر یعنی پو پھٹنے سے ہوتی ہے اور اوّل روز کی نماز کا آخر وقت قبل طلوع الشمس بتایا گیا ہے۔ تو طلوع فجر و طلوع الشمس کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا ہے اس کو ہر شخص جان لے سکتا ہے۔ مثلاً یکم جنوری کو کراچی میں طلوع فجر پانچ بج کر چوّن منٹ پر ہوتا ہے۔ اور طلوع آفتاب سات بج کے سترہ منٹ پر دونوں طلوع فجر و طلوع آفتاب کے درمیان ایک گھنٹہ ۲۳ منٹ کا فاصلہ زمانی ہے۔ آپ اسی قدر آخر روز یعنی دن کے آخری حصّہ کے لیے بھی وقت رکھ لیجئے۔ قدرے کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں یعنی اب آخری حصہ کے لیے ڈیڑھ گھنٹہ وقت اگر رکھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے درمیان یعنی طلوع آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک کا پورا وقفہ درمیانی حصے کا رہا یہ درمیانی حصّہ دو حصّوں پر تقسیم ہوگا زوال سے قبل اور زوال کے بعد۔ طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک کا وقفہ تقریباً سوا پانچ گھنٹے دنیاوی کاروبار

Marfat.com

کے لیے۔ پھر گھر آکر کھانے پینے آرام کرنے کے لیے اس دور چہارم تک رکھا گیا تھا۔ غروب آفتاب سے پہلے دن کی آخری یعنی دوسری نماز کا حکم تھا جس کا ابتدائی وقت غروب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اوّل روز والی نماز کے وقت کے برابر کی قدر کمی و بیشی کے ساتھ ٹھہرتا ہے۔

دن کی ایک وقت نماز پو پھٹنے کے بعد سے قبل طلوع آفتاب تک صرف سوا گھنٹہ اور دوسری نماز کا وقت زوال کے بعد سے قبل غروب تک بتانا دین میں قرآن مجید میں دونوں میں الحاد کرنا اور قرآنی آیات کی تحریف کرنا ہے اور اس پر اصرار تو کھلی ہوئی ناخدا ترسی ہے۔

زلفاً من الیل زلف جمع ہے زلفۃ کی۔ رات کے ایک حصہ کو زلفۃ کہتے ہیں جمع کا صیغہ اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ رات کے کئی حصوں میں نماز پڑھی جائے۔ زلفۃ رات کے ابتدائی حصے کے معنی میں بھی اہل لغت لکھتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ کسی کا ابتدائی حصہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ البتہ مختلف اعتبارات کے پیش نظر متعدد ابتدائی حصے ہو سکتے ہیں یہاں جمع کا صیغہ زلفاً آیا ہے اس لیے کم سے کم تین ابتدائی حصے رات کے ہونا چاہییں۔ تو غروب آفتاب کے بعد رات کا پہلا ابتدائی حصہ آتا ہے پھر غروب شفق کے بعد رات کا دوسرا ابتدائی حصہ آتا ہے۔ اور تیسرا ابتدائی حصہ ادبار النجوم کے بعد یعنی رات کے نصف آخر کا ابتدائی حصہ۔ پہلا ابتدائی حصہ

Marfat.com

غروب آفتاب کے بعد والا نماز مغرب کا وقت ہے۔ دوسرا ابتدائی حصہ غروب شفق کے بعد والا نماز عشاء کا وقت ہے اور تیسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص فریضے اور دوسروں کے لئے تطوع کا وقت ہے اس دور چہارم میں دن کی تو وہی دو نمازیں رہیں جو دور سوم میں تھیں۔ رات کو ایک فرض نماز کا اضافہ ہوا۔ دور دوم و سوم میں رات کو ایک ہی نماز فرض تھی اس لیے دونوں دور کی آیتوں میں صرف ومن اللیل فرمایا گیا اور وہ ایک نماز غروب آفتاب کے بعد سے ادبار النجوم کے قبل تک کے اندر پڑھی جاتی تھی۔ اب اس دور چہارم میں رات کو دو نمازیں فرض ہوئیں اس لیے یہاں سابق دونوں دوروں کی آیتوں کی طرح دور چہارم کی آیت میں ومن اللیل نہیں فرمایا و زلفا من اللیل ارشاد ہوا ادبار النجوم والی نماز دور دوم سے اور ادبار السجود والی نماز دور سوم جو چلی آرہی ہے دونوں اپنی جگہ ہیں

پانچواں دور پانچ وقت کی نمازیں ۔ تعیین اوقات

دور چہارم کا جب صرف ایک دن باقی رہ گیا تو رات کو تہائی آخر شب کو تہجد کے بعد یہ آیت اتری ۔ واصبر علی ما یقولون وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا ومن اٰناء اللیل فسبح واطراف النھار لعلک ترضیٰ مخالفین جو کچھ بولتے ہیں اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو یعنی نماز پڑھا کرو طلوع آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے اور

Marfat.com

رات کے بعض وقتوں میں بھی تسبیح کرو۔ دن کے حصوں کیساتھ تاکہ (منصب صبر کے ساتھ منصب رضا بھی) حاصل ہو"۔ (سورہ طٰہٰ ۱۳۰)

اس آیت کریمہ پر ہمارے مفسرین نے محض سرسری نظر ڈالی اور اس پر غور نہیں کیا کہ اس سے پہلے چاروں دوروں کے متعلق جو چار آیتیں نازل ہوئی تھیں ہر آیت میں پہلے دن کی نماز یا نمازوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد رات کی نماز کا ذکر فرما کر آیت کو ختم کیا گیا ہے۔ مگر اس آیت میں پہلے دن کی انہیں دو نمازوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جنکا ذکر دور سوم میں بالکل انہی لفظوں کے ساتھ قبل طلوع الشمس و قبل الغروب کے لفظوں میں فرمایا گیا ہے۔ پھر دور چہارم میں ہی دونوں دن کی نمازوں کے وہی دو وقت طرفی النہار کہہ کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں بھی وہی دو وقت انہی سابق لفظوں میں قبل طلوع الشمس و قبل غروبہا فرما کر بتایا گیا ہے۔ دن کی دو نمازوں کا ذکر دور سوم کی آیت دور چہارم کی آیت اور پھر اس دور پنجم کی آیت میں بھی بالکل یکساں طریقہ سے تعیین وقت کے ساتھ کیا گیا۔ دن کی نمازوں کے بعد رات کی نماز دور سوم میں چونکہ صرف ایک نماز عام فریضے کی حیثیت سے تھی اس لئے صرف ومن الیل فرمایا گیا جس طرح دور دوم میں رات کی صرف ایک ہی فرض نماز ہو۔ کی وجہ سے ومن الیل فرمایا گیا ہے۔ دور چہارم میں رات کی دو نمازیں عام حیثیت سے فرض ہوئیں اس لئے زلفاً من الیل جمع کا صیغہ "رات کے کچھ حصوں میں" کہہ کر فرمایا گیا

Marfat.com

دو نمازیں عام طور سے فرض اور ایک نماز خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے فرض دوسروں کے لیے تطوّع یعنی نفل۔ تینوں رات کی نماز کے لیے جمع کا صیغہ زلفاً لایا گیا کہ ان میں سے ہر نماز رات کے ایک خاص حصے میں پڑھی جاتی ہے۔ اس دور پنجم میں بھی بالکل اسی طرح رات کی نماز کے لیے جمع کا صیغہ ومن اناء اللیل لایا گیا۔ جو زلفاً من اللیل ہی کا مفہوم رکھتا ہے۔ زلفاً من اللیل کے معنی ہیں "رات کے کچھ حصوں میں" اور من اناء اللیل کے معنی ہیں "رات کے وقتوں میں سے" یعنی دور چہارم کی آیت کریمہ اور اس دور پنجم کی یہ آیت کریمہ ومن اناء اللیل تک ہی اگر زیر غور رکھیئے تو بالکل ایک ہی مفہوم دونوں آیتیں رکھتی ہیں اور دونوں آیتوں سے صرف چار ہی وقت کی فرض نمازیں ثابت ہیں۔ دو نمازیں دن کی اور دو نمازیں رات کی۔ مگر اس آیت کریمہ میں ایک نئی بات تمام آیات سابقہ سے جداگانہ یہ ہے کہ سابق ہر آیت میں دن کی نمازوں کے اوقات بتا کر رات کی نماز یا نمازوں کا وقت بتا کر بات ختم کر دی ہے۔ اور اس دور پنجم والی آیت میں دن کی نمازوں کے بالکل وہی وقت جو دور سوم و چہارم میں تھے بتا کر رات کی نمازوں کے وہی اوقات اسی طرح بتا کر جو دور چہارم میں تھے پھر دن کی نمازوں کے اوقات دور چہارم کے بتائے دو وقت بصیغہ تثنیہ کو بصیغہ جمع لا کر یعنی طرفی النہار کی جگہ اطراف النہار کہہ کر بتایا گیا ہے۔ تو یہ بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو حسب معمول پہلے دن کے نمازوں کے اوقات

Marfat.com

کے بعد رات کی نمازوں کا ذکر ہو چکا۔ تو اب پھر دوبارہ دن کی نمازوں کا ذکر چہ معنی دارد ؟ اور دوبارہ ذکر بھی لفظ کی شکل یعنی صیغہ بدل کر ؛ تثنیہ کو جمع بنا کر۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جہاں ع ہر لفظ ہیں اک نکتہ ہے، ہر نکتے ہیں ایک رمز۔ قرآن مجید کی بلاغت کو علم وفن سے بے بہرہ ایسے لوگ جو واو تفسیر کا مفہوم نہ جانیں من ابتدآئیہ کی حقیقت سے ناواقف ہوں الف لام کی قسموں سے ناآشنا ہوں اور کمال بیانی صغیر آیں جو ربیا ہے اس کو رب سے مشتق بتاتے ہوں۔ اس پرنہ قیامت کے بازپرس سے ڈرتے ہوں نہ اللہ تعالیٰ کی عقوبت کا کچھ خوف رکھتے ہوں وہ کیا سمجھ سکتے ہیں۔

میں نے اسی لئے لکھا ہے کہ دورِ چہارم کا جب صرف ایک دن باقی رہ گیا تو رات کو یہ آیت اتری غالبا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ کہ یہ ایک دن جو دورِ چہارم کا باقی رہ گیا ہے اس میں تو تم اسی دورِ چہارم کی طرح دو وقت کی نماز پڑھ لو قبل طلوع الشمس و قبل غروبہا۔ اس دن غروب آفتاب کے بعد چوتھا دور ختم ہو جائیگا۔ سورہ یٰس کی آیت ۳۷ میں ہے وآیۃ لھم الیل نسلخ منہ النہار فاذا ھم مظلمون۔ لوگوں کے لئے (اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے) ایک نشانی رات (بھی) ہے جس (پر) سے (آفتاب کی چڑھائی ہوئی) دن (کی چادر) کو ہم کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت لوگ اندھیرے میں ہو جاتے ہیں۔ تو پہلے رات تھی

Marfat.com

جس کے چند گھنٹے بعد آفتاب نور کی چادر چڑھا دیتا ہے
پھر وہ چادر کھینچ لی گئی تو دوسری رات آجاتی ہے۔ اس لیے دن کے پہلے
کی رات اسی دن کی رات قرار دی گئی ہے اور دن کے بعد والی رات
آنے والے دن کی رات ہو گی۔ تو جس رات آخر حصے میں جب اس رات کی
ساری نمازیں عام و خاص ادا کی جا چکی تھیں یہ آیت اتری تو اس رات
کے بعد والا دن اسی رات کا دن ہوگا۔ یہ رات اور اس کے بعد والا
دن دور چہارم کی آخری رات اور آخری دن ہیں اس لیے حکم ہوا کہ اس
آخری دن میں تم دور چہارم کے مطابق دو نمازیں قبل طلوع الشمس
و قبل غروب پڑھ لو۔ اس کے بعد دور پنجم کی پہلی رات آتی ہے اس رات
بالکل دور چہارم ہی کی طرح دو فرض نمازیں مغرب و عشاء اور ایک
فرض خصوصی ادبار النجوم والی اور ...... اور ادبار السجود والی پڑھ لو
اگر اس رات کے بعد طرفی النہار (دن کے اول و آخر دونوں حصوں ہی کے
ساتھ نہیں بلکہ) اطراف النہار کے ساتھ یعنی دن کے تینوں حصوں میں
اول و آخر کے حصوں میں تو حد سوم کا سے تم پڑھتے ہو۔ صرف درمیانی
حصہ اس کا بچا ہوا ہے۔ اس دن سے جو دور پنجم کا پہلا دن ہے دن کے
درمیانی حصے میں بھی ایک نماز پڑھ لیا کرو تاکہ دن کا کوئی حصہ نماز (اللہ تعالیٰ
کے ذکر) سے خالی نہ رہے واطراف النہار پر داؤ معیت ہے۔ یہ واؤ
معیت اس مفہوم کو پیدا کر رہا ہے کہ یہ انا ء الیل والی رات کے ساتھ
اس اطراف النہار والے دن کا شمار ہے یہ دونوں شبانہ یوم اپنے

Marfat.com

سابق روز و شب سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان سے پہلے کے روز و شب دور چہارم کے تھے اور اس روز و شب سے دور پنجم کا حساب شروع ہو گیا جو آخری دور ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اس دور سے دن کی تین فرض نمازیں ہو گئیں ایک دن کے ابتدائی حصے میں دوسری درمیانی حصے میں تیسری آخری حصے میں۔ مگر رات کی وہی دو نمازیں فرض رہیں غروب آفتاب کے بعد اور غروب شفق کے بعد جو دور چہارم میں فرض ہوئی تھیں۔

لیکن یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ دن کا درمیانی حصہ تو طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور زردی آفتاب پر ختم ہوتا ہے۔ اور اس درمیانی حصے کو خط نصف النہار دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے تو درمیانی نماز نصف النہار سے پہلے پڑھ لی جائے یا نصف النہار کے بعد یا ٹھیک نصف النہار کے وقت؟ اس لئے دور پنجم کے اسی پہلے دن پہلی یعنی فجر کی نماز کے بعد یہ آیت کریمہ اتری

اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقرآن الفجر۔ ان قرآن الفجر کان مشھودا۔ط

نماز کی پابندی قائم رکھو ہر دلوک شمس کے بعد (آخری دلوک کے خاتمہ) رات کی پوری تاریکی تک دو نمازیں) فجر کے قرآن (کی قرأت) کو بلاشبہ فجر (کی نماز) کا قرآن قابل مشاہدہ ہوتا ہے (بنی اسرائیل ۸۷)

دلوک کے معنی کسی چیز کا اپنی جگہ سے کھسکنا، آہستہ آہستہ ہٹنا ہیں۔ سورج کو

ہاتھ سے ملتے ہیں۔میل چھڑانے کے لیے یا بدن میں تیل لگاتے ہیں تو ہاتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلنے میں کھسکتا رہتا ہے اس لیے دلک کے معنی بدن ملنا بھی ہیں، آفتاب کے تین دلوک عام طور سے عرب میں مشہور تھے زوال شمس، زردی شمس اور غروب شمس حضرت حسان بن ثابت صحابی نعتیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ کا قصیدہ؛ مشہور ہے جس کے دو شعر قطعہ کی صورت میں حسب ذیل ہیں۔

شمس السماء لها دلوک عدۃ   حتی تغیب ولا تری آثارھا

آسمان والا آفتاب تو اسکے متعدد دلوک ہیں یہانتک کہ کھسکتے کھسکتے غائب ہوجاتا ہے اور اسکے آثار تک تم

والشمس فی الاستواء مقیمۃ   لا تحجبن غمائۃ انوارھا

اور ہمارا آفتاب (ہر وقت) خط استوا پر مقیم رہتا ہے۔کسی بدلی کی بھی یہ مجال نہیں کہ اس کے انوار پر حجاب ڈال سکے۔

قرآن مجید نے یہ بتایا کہ شفق بھی آفتاب ہی کے آثار ہیں۔اسلیے غروب شفق درحقیقت آفتاب کا آخری دلوک ہے تو جب شفق غروب ہو کر رات کی تاریکی فضا میں پھیلا دے غسق الیل ہوجائے تو دلوک آفتاب

ع ۱ اس شعر میں بلاغت یہ ہے کہ آفتاب آسمان تو غروب ہوجاتا ہے۔اور ہمارا آفتاب صرف غروب ہی سے محفوظ نہیں ہے۔اتنی بلند شان رکھتا ہے کہ کسی بدلی کی بھی یہ مجال نہیں کہ سامنے آکر حجاب بن جائے اور اس کی روشنی کو دوسروں تک پہنچنے سے روک دے۔ سبحان اللہ ۱۲

Marfat.com

شمس کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اسی لئے اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا ہے ہر دلوک کے بعد لدلوک پر لام بعدیت کے لیے ہے بعد دلوک الشمس تو جب دلوک شمس متعدد ہیں اور کسی خاص دلوک کی خاص تعیین نہیں فرمائی گئی ہے تو ہر دلوک کے بعد نماز فرض ہوئی زوال کے بعد ظہر کی نماز زردی شمس کے بعد عصر کی نماز غروب کے بعد مغرب کی نماز، غسق اللیل یعنی پوری تاریکی چھا جانے کے بعد عشا کی نماز۔ ان چار نمازوں کے اوقات دور پنجم کے پہلے دن وضاحت کے ساتھ ہر وقت کی ابتدا اور ہر وقت کے بعد دوسرے وقت کی ابتدا سے اس سے پہلے والے وقت کی انتہا بھی معلوم ہو گئی۔ رات کی نمازوں میں مغرب کی نماز کا وقت وجود شفق ہی تک رہے گا۔ غسق لیل سے مغرب کی نماز کا وقت ختم ہو جائے گا اور عشاء کی نماز کی انتہا قوادبار النجوم یعنی نصف شب ہو جانے سے ختم ہو جاتی ہے سابق دوروں سے معلوم ہے۔

فجر کی نماز کے بعد ہی یہ آیت اتری تھی اور وہ تو دور اول ہی سے فرض آرہی ہے اس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی کسی دور میں سابق دور کی کوئی نماز منسوخ نہیں کی گئی۔ البتہ سابق دور کی نمازوں میں کوئی قید لگا دی گئی ہے یہ آخری دور کی آخری آیت تھی ایسا نہ ہو کہ کوئی یہ سمجھے کہ آخری دور میں چار ہی وقت کی نماز ہر دلوک کے بعد فرض ہوئی ہے۔ ظہر سے عشاء تک۔ فجر کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔ ترتیب کے مطابق فجر کا ذکر پہلے ہونا چاہئے۔ ظہر سے ذکر شروع کیا گیا اس آیت سے فجر کی نماز

Marfat.com

منسوخ تو نہیں ہو گئی۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے آخر میں فجر کی نماز کا ذکر قرآن الفجر کے لفظ سے کیا گیا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں قرأت کو طویل فرماتے تھے اس لیے اس نماز کے پسندیدہ حصے سے اس نماز کا ذکر کیا گیا۔ نماز کو قرآن مجید میں صلوٰۃ۔ تسبیح رکوع سجود۔ سجد کے الفاظ سے ذکر کیا گیا۔ یہ سب الفاظ نماز کے معنی میں قرآن میں آئے ہیں۔ اس آیت میں قرآن الفجر اضافت کی وجہ سے نماز فجر کے معنی میں آیا اور اس میں ایک پہلو ترغیب کا بھی ہے کہ فجر کی نماز میں قرأت طویل ہونی چاہیئے اور مزید ترغیب کے لیے یہ بھی فرما دیا کہ ان قرآن الفجر کان مشھودا۔ یہاں قرآن کے لفظ سے قرأت اور الفجر سے نماز فجر مراد ہے یعنی فجر کی نماز کی طویل قرأت جو خشوع و خضوع کے ساتھ ہو قابل مشاہدہ قابل دید و شنید چیز ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے اور ہر نماز کی ابتدا و انتہا بتا دی گئی ہے بعض قبل سے سب کو معلوم ہے سابق دوروں میں اس کی انتہا بتا دی گئی ہے۔ دوسرے پنجم کے پہلے دن یہ آیت اتری تھی چار نمازوں کی ابتدا و انتہا سب کو معلوم تھی سارے مومنین پڑھ رہے تھے یعنی نماز دن کے اول و آخر حصوں کے درمیان اس دور میں ایک نئی پانچوں نماز فرض ہوئی ہیں پہلی آیت جو آخر شب میں اتری تھی اس میں صرف دن کے درمیانی حصے میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہوا تھا

Marfat.com

مگر اس درمیانی حصہ روز والی نماز کے وقت کی ابتداء وانتہاء
نہیں بتائی گئی تھی کہ فجر کی نماز پڑھ چکنے کے بعد درمیانی حصہ روز والی
نماز کے حکم کی تعمیل ہوتی۔ اگر ضرورت تھی تو صرف اسی درمیانی حصہ
روز والی نماز کی ابتدائے وقت وانتہائے وقت بتانے کی اسلئے پہلے
جس نئی نماز کی ابتداء وانتہائے وقت بتانے کی ضرورت تھی اسی سے
شروع کرکے ایسی بلاغت کے ساتھ صرف ایک "دلوک الشمس" کا
لفظ بتلاکر ظہر ہی نہیں بلکہ الی غسق اللیل فرماکر چار وقتوں کی ابتداء
وانتہا بتادی۔ نماز فجر کی ابتداء بتانے کی ضرورت نہیں۔ فجر کا لفظ
خود لطلوع فجر کو اس کی ابتدا بتا رہا ہے اور انتہا تو قبل لطلوع الشمس
کے لفظ سے دور دوم ہی سے سب کو معلوم ہے۔

Marfat.com

ضمیمہ

رکعات نماز پنجگانہ

عطائے نبوت کے بعد پہلے پہل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی تعلیم دی گئی ۔ اقم الصلٰوۃ کہہ کر اور نماز کا حکم ہوا تو صرف ایک وقت کی نماز فرض ہوئی اور دو ہی رکعت کی تعلیم دی گئی تھی پھر نماز کی تعداد بڑھتے بڑھتے مکہ مکرمہ میں ہجرت کے وقت تک بلکہ ہجرت کے بعد مقام قبا میں پہنچنے تک چار وقت کی نماز رہی ۔ قبا میں ایک وقت کا اضافہ ہوا اور پانچ وقت کی نماز فرض ہو گئی مگر ہر وقت کی نماز ہجرت کے بعد بھی ۱۹ مہینے تک دو دو ہی رکعت رہی ۔ فتح جنگ بدر کے بعد آیت کریمہ اتری ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا ۔ اس کے مطابق بشکرانہ فتح جنگ بدر ، ظہر ، عصر ، عشاء میں دو دو رکعتوں کا اور مغرب میں ایک رکعت کا اضافہ ہوا جس کی تفصیل آگے آتی ہے ۔ دین اور کتاب اللہ دونوں کے ساتھ یہ نہایت افسوسناک خیانت ہے کہ مسلسل آیات میں سے صرف ایک آیت کو لے لیا جائے اور سیاق و سباق سے بالکل بے پرواہ ہو کر صرف اسی آیت سے کوئی ایسا مفہوم پیدا کیا جائے جو جمہور امت کے خلاف چودہ سو برس کے تعامل متواتر کے خلاف اور عقل سے بھی خلاف ہو اور اسی خود ساختہ مفہوم کو خالص قرآنی قرار دیا جائے اور جو مفہوم عہد نبوی سے آج تک ساری امت کا

Marfat.com

متفق علیہ ہے اس کو باوجود اس کے کہ وہ حکم قرآنی کے مطابق ہے غیر قرآنی و روایتی و خود تراشیدہ قرار دے کر اس پر عمل کرنے کو قرآن کریم کی انتہائی مخالفت قرار دینا کیا خالص عوامی طریقہ نہیں کہا جائے گا؟ ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلّی ـ کے مصداق آج بھی پائے جاتے ہیں۔

اب ذرا کتابا موقوتا والی آیت کریمہ کا سیاق و سباق دیکھئے سورہ نساء کا چودھواں رکوع شروع سے پڑھئے واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ الآیۃ دوسری آیت واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ الآیہ پھر تیسری آیت پڑھئے فاذا قضیتم الصلوٰۃ سے واقیموا الصلوٰۃ تک اسی کے بعد متصلاً ہے ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا ۔ اور یہیں پر یہ تیسری آیت ختم ہوئی ہے۔ یہ تینوں آیتیں مسلسل ایک دوسرے سے معنوی وابستگی جو رکھتی ہیں اس سے کوئی دیوانہ ہی انکار کر سکتا ہے۔ ان تین آیتوں کے درمیان چار جگہ الصلوٰۃ کا لفظ آیا ہے پہلی آیت میں صلوٰۃ الخوف میں کس طرح قصر صلوٰۃ کیا جائے اس کا طریقہ بتایا ہے دوسری آیت میں دشمن کی چال گھات سے ہوشیار رہنے کے لئے فرمایا گیا ہے اور اگر کسی درد دکھ کی شکایت ہو یا بارش ہو رہی ہو تو ایسی حالت میں اس وقت نماز کس طرح ادا کی جائے۔ اسکو بتایا ہے۔ تیسری آیت میں کہا گیا ہے کہ بتائے ہوئے طریقے سے صلوٰۃ الخوف ادا کر لینے کے بعد کھڑے بیٹھے بیٹھے لیٹے لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہو پھر جب ہر طرح سے اطمینان ہو جائے تو نماز کے نظام کو قائم رکھو (کیونکہ) نماز مومنین پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے۔ فرمایئے

Marfat.com

اس پورے سلسلۂ بیان میں کس نماز کا ذکر ہے. قصر کا حکم کس نماز کے متعلق ہے. نمازیں تو مکہ مکرمہ سے فرض چلی آرہی ہیں مصنف کتاب صلوٰۃ کے نزدیک تو شروع ہی سے تین وقت کی نمازیں چلی آرہی ہیں اور سورۂ نساء تو مدنی سورہ ہے صلوۃ الخوف بحالت جہاد کا طریقہ تو مدینہ طیبہ میں بتایا گیا ہے ....

تین نمازیں فرض کے علاوہ مصنف الصلوٰۃ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نماز تہجد کو نفل ہی لکھ رہے ہیں تو پھر الصلوٰۃ پر الف لام استغراق کہاں رہا. مصنف الصلوٰۃ کو اصطلاحی چند الفاظ یاد ہیں. جن کا بے محل استعمال کرتے رہتے ہیں. واؤ تفسیر اور من ابتدائیہ اور الف لام استغراق اور منصوب بنزع الخافض اور پھر جملوں کی ترکیب نحوی بھی لکھتے ہیں شاید عام مخصوص منہ البعض کی اصطلاح بھی کسی سے سن لی ہوگی. اور یاد کر لی ہو اور کہدیں کہ یہاں تہجد کی نماز عام مخصوص منہ البعض کے قاعدے سے مستثنیٰ ہو تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ قاعدہ عموم لفظی کے لئے ہے نہ کہ عموم استغراقی کے لئے. ان مسلسل تینوں آیتوں میں الصلوٰۃ الف لام ہی سے ساتھ آیا ہے اور چار الصلوٰۃ میں ہر الصلوٰۃ پر الف لام عہد ہی کا ہے یعنی جن نمازوں کو تم پر فرض کیا گیا ہے. اگر بحالت خوف ان میں سے کسی نماز کا وقت آجائے تو اس طرح پڑھو اس کی وجہ بتائی گئی کہ یہ نمازیں جن کو تم مکہ مکرمہ سے پڑھتے آرہے ہو اور ایک نماز تم پر ہجرت کے بعد بھی فرض ہوئی یہ صرف فرض ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے اوقات کی پابندی بھی تم فرض ہے. پابندی وقت کے ساتھ ان نمازوں کو تمہیں ادا کرنا ہے. ان کی اہمیت کو دیکھو کہ جب وقت دشمن کے حملے کا خوف ہو اس وقت بھی نماز معاف نہیں کی گئی ہے۔

Marfat.com

جنگ بدر کی فتح کے بعد حضرت جبریل آئے اور انھوں نے غیر قرآنی وحی سے مطلع کیا کہ حکم ہے کہ اس فتح مبین کے شکرانہ میں حکم صلوٰۃ کی اس آخری آیت سے ہر ہر لفظ کے حروف کی تعداد کے مطابق پنجگانہ نمازوں کی رکعات مقرر کر دو مگر یہ اضافہ صرف حضر میں رہے۔ سفر میں دو دو رکعتیں ہر نماز کی رہیں گی۔ البتہ مغرب کی نماز میں جو اضافہ ہوا وہ حضر اور سفر دونوں میں رہے تاکہ شکرانہ صرف حضر ہی میں نہ رہے کچھ سفر میں بھی رہے تو اب حکم صلوٰۃ کے متعلق اس آخری آیت کو سامنے رکھ کر دیکھئے ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتٰبًا موقوتًا قرآنی نمازیں جو عام فرائض میں پانچ ہیں۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد بھی فرض تھی اور دوں کے لیے تطوع۔ اس آیت میں پہلا لفظ انّ ہے جس میں دو حروف ہیں اس لیے پہلی نماز فجر کی دو ہی رکعتیں جس طرح رکھیں اسی طرح رہیں اس کے بعد صلوٰۃ کا لفظ ہے جس میں چار حروف ہیں فجر کے بعد ظہر کی نماز چار رکعت کی رکھی گئی۔ اس کے بعد کانت کا لفظ ہے اس میں بھی چار حروف ہیں ظہر کے بعد عصر کی نماز ہے اس کی بھی چار رکعتیں قرار دی گئیں۔ اس کے بعد علی کا لفظ ہے جس میں تین حروف ہیں۔ عصر کے بعد مغرب کی نماز ہے اس کی تین رکعتیں ٹھہرائی گئیں۔ اس کے بعد الف لام استغراق کے ساتھ "المومنین" کا لفظ ہے۔ یعنی ہر مومن پر فرض ہے۔ مومن کے بھی چار ہی حروف ہیں اس لیے عشاء کی نماز چار رکعت کی رکھی گئی۔ پنجگانہ فرائض عمومی کی رکعتیں مقرر ہو گئیں۔ فرض خصوصی و تطوع عمومی تہجد بھی قرآنی ہی نماز ہے اس لیے کتٰبا میں ہیں تو دراصل پانچ حروف مگر قرآنی رسم خط میں کتابًا

Marfat.com

کا الف نہیں لکھا گیا ہے اس کی جگہ چھوٹا سا الف کھڑا زبر جس کو کہتے ہیں وہ موجود ہے۔ اور اصل اعتبار تو قرآن مجید میں تلفظ کا ہوتا ہے نہ کہ رسم خط کا اس لئے کتبا کے پانچ حروف اور موقوتا کے چھ حروف گیارہ حروف ہوئے۔ تہجد کی آٹھ رکعتیں اور تین رکعتیں وتر کی گیارہ پوری ہوگئیں جو تہجد کے عادی نہ ہوں وہ کتبا کے اعداد کے مطابق دو رکعت سنت عشاء اور تین رکعت وتر ضرور پڑھیں۔

وتر کی نماز تو قرآنی فریضہ ہے ادبار السجود والی مگر معمول تھا مسجد میں صرف فرض پڑھنے کا۔ گھر پہ آکر لوگ باقی نمازیں پڑھتے تھے۔ تو جس کو تہجد پڑھنا نہیں ہے اس کو ادبار السجود والی نماز وتر پڑھنا ضروری ہے۔ مگر اس کو کسی نماز کے بعد ہی پڑھنا چاہئے اس لئے دو رکعت پڑھ کر وتر پڑھنا اس کے لئے ضروری ہے اس لئے یہ پانچ رکعتیں کتبا کے ملفوظی حروف کے مطابق ہوئیں۔ تہجد کی نماز آٹھ رکعت بھی ہے اور بارہ رکعت بھی المومنین کے شروع میں الف لام استغراق اور آخر میں "ین" علامت جمع کو ملا کر تہجد کی بارہ رکعتیں بھی پڑھ سکتے ہیں الصلوٰۃ الف لام عہد کے دو حرف قائم ہیں اس مناسبت سے ظہر کی نماز کے بعد دو رکعت سنت موکدہ قرار دی گئی۔ ان الصلوٰۃ سے لے کر موقوتا تک کوئی حرف چھوٹا نہیں۔ اصل الفاظ کے حروف کی تعداد کے مطابق فرائض خمسہ وتہجد و وتر اور دو حروف زوائد کی تعداد کے مطابق مناسب محل سنت ثابت کیا پایا جاتا ہے۔ کیا بغیر ارادہ وعلم رب العلمین یہ محض اتفاقی بات ہے؟ حاشا وکلا! حکم صلوٰۃ سے متعلق یہ آخری آیت تھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ اشارات رکھ کر فتح جنگ بدر کا شکرانہ ادا کرنے کا طریقہ

Marfat.com

بذریعہ وحی غیر قرآنی اپنے رسول کو بتایا فتح جنگ بدر پہ اللہ تعالیٰ کا شکر حضورؐ خود اور سارے صحابہؓ کس کس طرح ادا کر رہے ہوں گے اس کا اندازہ ہم آپ کیا کر سکتے ہیں۔ مگر ہزار بہتر سے بہتر انداز شکر ہو پھر بھی وقتی ہی تھا اللہ تعالیٰ نے پائدار اور ایسا طریقہ شکر بنیاد یا جو تا قیامت قائم رہے یہ آیت کریمہ درحقیقت معجزانہ انداز سے پنجگانہ و وتر و تہجد کی نمازوں کی تعداد رکعات کا ثبوت سبیل المومنین و سنت ثابتہ کے مطابق ہم پہنچا رہی ہے۔

قرآت نماز

کتاب الصلوٰۃ کے مصنف نہ قرآن مجید کے سمجھنے کی صحیح صلاحیت رکھتے ہیں نہ نماز کی حقیقت سے واقف ہیں "روایتی قرآت" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ "حضور خداوندی میں دست بستہ کھڑے ہو کر اپنے پروردگار کو ایاک نعبد و ایاک نستعین سے مخاطب کرنے کے بعد عام قرآن پڑھنا شروع کر دیتا ہے انا اعطینٰک الکوثر جس ذات مقدس کو ابھی ابھی کہا جا رہا تھا ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں اسی ذات ذوالجلال کو اسی خطاب کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا ہے فصل لربک وانحر تو اپنے رب کی نماز پڑھ کر جو بے چارے عربی نہیں جانتے وہ صرف اتنا ہی سمجھ کے پڑھتے ہیں کہ

ہم اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ رہے ہیں وہ معنی مطلب کچھ سمجھتے نہیں اس لئے وہ تو مرفوع القلم ہیں اور کتنے بد نصیب ایسے ہیں جو عربی جانتے ہیں مگر کمسنی سے یا زمانۂ طالب العلمی سے بے سمجھے بوجھے پڑھنے کی عادت رہی اس لئے عالم ہو جانے کے باوجود معنی و مفہوم کی طرف دھیان نہیں دیتے اتفاق سے کسی جملے کا مفہوم بلا ارادہ ذہن میں آجائے یہ اور بات ہے خود ان کی یہ عادت بھی نہیں رہی کہ وہ نماز کو نماز کی طرح ایک عبادت سمجھ کر ادا کریں بلکہ وہ عادۃً نماز پڑھتے ہیں ان سے بھی بحث نہیں مگر للیسوا سواءً سب علما ایسے نہیں ہیں سمجھ کے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے والے بھی بفضلہ و توفیقہ تعالیٰ بہتیرے اہل علم ہیں وہ سورہ فاتحہ کے بعد مناسب حال و مناسب جذبات ہی آیات پڑھتے ہیں جن سے ان کے خشوع و خضوع میں اضافہ ہوتا ہے مگر نماز بھی ایک ایسی چیز ہے جس کو مقولۂ اضافت سے کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اس لئے کہ نماز مکمل حاضری ہے الٰہ العٰلمین کی بارگاہ میں عابد و معبود کا آمنا سامنا ہوتا ہے بندہ اپنے معبود کی حمد و ثنا کرنے اقرار عبدیت و استعانت کے بعد ہدایت طلبی کی دعا کرتا ہے تو اگر اس کے جذبۂ تضرع کی تشنگی کبھی نہیں ہے تو سورۂ فاتحہ کے بعد بھی خشوع و خضوع انگیز ہی آیتیں پڑھ کر اپنے جذبۂ تضرع کی پیاس بجھاتا ہے اور بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ اپنے مالک اور اپنے رب کے سامنے حمد و ثنا و اقرار عبدیت و استعانت و دعا کے بعد دلولۂ عبدیت چاہتا ہے کہ مالک کی طرف سے بھی کچھ ہمت افزائی کچھ تسلی و تسکین کچھ حسب حال و وقت موعظت کی باتیں ارشاد ہوتیں تو ہمت افزائی تسلی، تسکین و موعظت کی آیتیں اس طرح سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود فرما رہا

Marfat.com

گو الفاظ خود اس کے منہ سے نکل رہے ہیں جیسے کسی کا خط کوئی پڑھتا ہے تلفظ الفاظ کے اعتبار سے تو الفاظ اس کے منہ سے ادا ہو رہے ہیں مگر بایں خط لکھنے والے کی ہیں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد جس نے انا اعطینک الکوثر سمجھ کر پڑھا اس نے یہ سمجھ کر پڑھا کہ میرا مالک مجھ کو میری دعا و التجا کا یہ جواب دے رہا ہے کہ انا اعطینک الکوثر۔ اور یہ حقیقت ہے کہ رب العلمین نے اپنے ہر بندے کو اس کی حیثیت کے مطابق خیر کثیر دیا ہے۔ ان تعدّ وا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (اگر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم سب کا احصا نہیں کر سکتے) مصنف الصلوٰۃ نے کس قدر غلط اور جھوٹ لکھا ہے کہ ابھی ابھی کہا جا رہا تھا کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں، اسی ذات ذوالجلال کو اسی خطاب کے ماتحت کہا جاتا ہے کہ ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا ہے" اسی خطاب کے ماتحت" یہ کتنا کھلا جھوٹ ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین کے بعد وہ مخاطبت تو ختم ہو گئی اس کے بعد دعا کی مخاطبت ہے جو ختم سورۂ فاتحہ کے ساتھ ختم ہو گئی، اس کے بعد نمازی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے اقرار و اعتراف و دعا کی ساری مخاطبتیں ختم ہو جانے کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ایک نیا عنوان شروع کیا جس طرح انا اعطینک الکوثر میں متکلم اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح نمازی اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو متکلم سمجھ رہا ہے نزول سورہ کے وقت ضمیر مفعولی کاف خطاب کی مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے مگر آپ کے دامن نبوت کے زیر سایہ پلنے والا ہر مومن اس مخاطبت میں شریک ہے جس طرح اقم الصلوٰۃ وغیرہ کی مخاطبت میں ہر مومن اپنے رسول کا طفیلی بنا شریک خطاب ہے اسی طرح انا اعطینک الکوثر کی مخاطبت میں بھی ہر مومن صالح اپنے رسول کا

Marfat.com

اپنے رسول کے طفیل میں یہاں بھی شریک مخاطبت ہے یہ میں نے جواب دینے کے لئے ایک بات نہیں بنائی ہے باللہ العظیم میں ایک مدت سے اسی طرح نماز پڑھتا ہوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ والضحیٰ یا سورہ الم نشرح پڑھتا ہوں تو میں نہیں لکھ سکتا کہ اس وقت میرا کیا عالم ہوتا ہے والعصر پڑھتا ہوں تو بڑا سبق موعظت کا ملتا ہے اس لئے اکثر پڑھتا ہوں خصوصاً اب کہ ضعف پیری سے دیر تک قیام نہیں کر سکتا قل ہو اللہ احد یا قل اعوذ برب الفلق یا قل اعوذ برب الناس پڑھتا ہوں تو یہ سمجھ کر کہ میرا رب مجھ سے فرما رہا ہے میری دعا کے جواب میں قل۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اس کے بعد میں حکم کی تعمیل کرتا ہوں نماز جس طرح مالک کے سامنے عرض معروض کا موقع ہے مالک سے تسلی و تسکین۔ حاصل کرنے کا موعظت و بشارت سننے کا بھی بہترین موقع ہے۔ سورۂ فاتحہ کے بعد موعظت و بشارت کی آئینہ بندہ مالک کی طرف سے پڑھتا ہے اور اپنے گوش دل سے سنتا ہے۔

قرآن مجید میں خود بعض جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول اور ان کے متبعین کے نفسیات کے درمیان مکالمہ کی نوعیت قائم کر کے ایک عجیب کیف آور ایمان افروز فرحت بخش لطافت پیدا فرما دی ہے کہ سمجھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھئے للہ ما فی السموات وما فی الارض (اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ سارے آسمانوں میں ہے اور جو کچھ ساری زمین میں ہے یعنی کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے یا نہ لائے کوئی اس کی عبادت کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ کو کسی کی کچھ پرواہ نہیں وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشاء ویعذب

Marfat.com

من یشاء ط واللّٰہ علی کل شئی قدیر ط (تم لوگ اپنے جی کی باتیں۔
ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللّٰہ تعالیٰ اس کا محاسبہ ضرور کرے گا (محاسبے کے بعد
اس کو اختیار ہے) جس کو مناسب سمجھے گا بخش دے گا اور جس کو مناسب
سمجھے گا عذاب کرے گا اللّٰہ تعالیٰ ہر بات کی قدرت رکھتا ہے) اس اعلانِ عام
کے بعد اس کا کیا اثر رسول اور مومنین پر پڑا۔ اور ان کے دلوں پر کیا گذری
ہوگی۔ انسانی نفس تو خیالات و خواہشات وا وہام وافکار کی آماجگاہ ہوتا
ہے خدا جانے کب کب کون کون سی باتیں دل میں آتی رہتی ہیں۔ اللّٰہ اکبر
سب کا محاسبہ ہوگا ؎

زندگی بھر کے سب اعمال کی پرسش ہوگی　　　اور یہاں کچھ بھی محبت کے سوا یاد نہیں

بخشش و بخشائش کی امید دلائی گئی ہے تو پھر عذاب سے ڈرا بھی دیا گیا
ہے کیا معلوم کس کو بخشا جائے گا۔ اور کس کے لئے عذاب کا حکم ہوگا تو پھر
بندے نے تدبیر یہ سوچی کہ حالت کفر کا سب گناہ ایمان لانے کے بعد معاف
ہو جاتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ نئے سرے سے ایمان لے آئیں۔ اٰمن الرسول
بما انزل الیہ من ربّہ والمومنون کل اٰمن باللّٰہ وملٰئکتہ وکتبہ
ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ (پہلے تو یہ اعلان عام نازل
ہوا ہے اس پر ایمان کا اقرار رسول اور سارے مومنین نے کیا اس کے بعد
تجدید ایمان کی سب کے سب اللّٰہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی
کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے۔ یہ اقرار کرتے ہوئے
کہ ہم لوگ اس کے رسولوں میں سے کسی کے متعلق کوئی فرق نہیں کرتے
(تجدید کے بعد اب اس اعلان عام سے متعلق کس عجز و ادب کے ساتھ
عذر خواہ ہوتے ہیں۔ دیکھئے (وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک

Marfat.com

المصیر ؕ سب نے عرض کیا کہ یہ اعلان عام جو ارشاد ہوا ہے اے ہمارے رب ہم لوگوں نے گوش دل سے سن لیا اور سر اطاعت خم کردیا دیگر اے ہم سب کے رب! ہم لوگ) تیری مغفرت کے امیدوار ہیں ۔ اور تیری ہی طرف تو ہم لوگوں کو (بالآخر) پہنچنا ہے اس تضرع کا جواب بارگاہ رب العلمین سے ارشاد ہوا گھبراؤ نہیں ۔ لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جو نیکیاں جس نے کمائی ہیں اس کو ان کا نفع مل کر رہے گا ۔ اور جس نے برائیاں کمائی ہیں ان کا وبال تو اس پر پڑے گا اتنی ہلکی سی تسلی سے اس اعلان عام کے باعث سہمے ہوتے قلوب کیا تسلی پا سکتے تھے سب کے سب بے اختیار گڑ گڑا گڑگڑا کر التجا کرنے لگے ۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا وقف واغفرلنا وقف وارحمنا وقف انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکفرین ؕ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو ہم لوگوں سے مواخذہ نہ فرما اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ (یعنی دل کی اطاعت کا) نہ ڈال جیسا کہ تو نے ہمارے اگلوں پر ڈال دیا اے ہمارے رب ہم لوگوں پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی برداشت کی قوت ہم لوگوں میں نہ ہو اور ہم لوگوں کو معاف کردے اور ہم لوگوں کو بخش دے اور ہم لوگوں پر رحم فرما تو ہی ہم لوگوں کا مالک و کارساز ہے تو (جب کافروں سے ہمارا مقابلہ ہو) تو کافروں پر ہم لوگوں کو اپنی مدد سے ظفریاب کر ۔ دیکھا آپ نے اس

Marfat.com

مکالمے کو ؛ نماز میں اللہ تعالیٰ سے اس کے عبادت گزار نمازی بندے
کو شرف مکالمہ حاصل ہو سکتا ہے اور الحمد اللہ ثم الحمد اللہ کہ یہ اپنے رب
کا نابکار و سیہ کار بندہ برابر اس شرف سے مدت سے مشرف ہوتا رہتا
ہے فالحمد للہ علی توفیقہ ولا فخر و ہذا الا تحدیث لنعمتہ والشکر علی توفیقہ
واللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور

نہ اس پہ فخر ہے اور نہ اس کا غرور — کہ ربی علیم بذات الصدور
ہیں سب سے زیادہ گنہگار ہوں — نہیں لیکن ایمان میں کچھ فتور
رگ جان سے بھی ہے جو نزدیک تر — وہ کب میرے دل اور نظر سے دور
عقائد ہیں اپنے اصح الصحاح — عمل میں مگر ہو رہا ہے قصور
بھروسا ہے لا تقنطوا کا فقط — و ربی رحیم، عفو، غفور!

ایک اور بات :-

مصنف الصلوٰۃ نے قرأت نماز کے متعلق بار بار ولا تجہر بصلوتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذالک سبیلا کو پیش کیا ہے تم اپنی نماز کو۔ (اے رسول) نہ بلند آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ ان دونوں کے درمیان ایک (اوسط درجے کی) راہ اختیار کرو" مصنف الصلوٰۃ نے صلوتک کی ترکیب اضافی کا مطلق خیال نہیں کیا اور ساری فرض نمازوں کے لئے اس حکم کو سمجھ لیا۔ اگر ہر نماز کے لئے یہ حکم ہوتا تو صلوتک (خاص رسولؐ کی نماز) ترکیب اضافی کے ساتھ ہرگز نہیں کہا جاتا صرف ولا تجہر بالصلوٰۃ ولا تخافت بہا فرمایا جاتا کہ تم نماز نہ زور سے پڑھا کرو نہ آہستہ بصلوتک تم اپنی نماز نہ زور سے پڑھو نہ آہستہ "اپنی" کی قید صاف بتا رہی ہے کہ یہ حکم خاص نماز کے لئے ہے جو صرف رسول ہی

Marfat.com

پر فرض تھی۔

سورہ مزمل کے آخری رکوع میں جو ہے ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفه وثلثه وطائفة من الذین معک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم (نماز میں) قیام کرتے ہو دو تہائی رات آدھی رات اور ایک تہائی۔ رات تک اور تمہارے ساتھیوں میں سے (بھی) ایک جماعت" تو حضور اکرمؐ نے ان لوگوں سے کہتے تھے کہ وہ لوگ بھی آکر شریک ہو جایا کریں نہ اللہ تعالیٰ نے اشارۃً کنایۃً لوگوں کو اسکی خاص طور سے ترغیب دی تھی صرف رسول کی قرأت کی آواز اپنے حجروں میں سنکر ولولۂ عبدیت کے جوش میں مسجد کے آس پاس رہنے والے اپنے اپنے حجروں سے قرأت رسول کی آواز سنکر وضو کرکے مسجد پہنچ جاتے تھے اور اپنے رسول کے ساتھ شریک نماز ہو جاتے تھے۔ اس لیے ایک بات تو اسی جگہ پر فرمائی گئی کہ علم ان سیکون منکم مرضیٰ واٰخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ واٰخرون یقاتلون فی سبیل اللہ فاقرءوا ما تیسر منہ۔ اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ تم میں سے بعض عنقریب بیمار بھی پڑنے والے ہیں اور بعض اپنے کاروبار کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے فضل کی امید پر (دن کو) چل پھر کرنے والے بھی ہیں اور دوسرے وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہتے ہیں (رات کو دیر شب تک ان کا نماز نفل میں مصروف رہنا ان کے دن کے ضروری مشاغل میں ضرور حارج ہوگا، اس لیے قرآن سے اسی قدر پڑھو جتنا سہل ہو لوگوں کے لیے دشواری کا باعث نہ ہو۔ اور اس آیت میں آنحضرتؐ کو حکم ہوا کہ تم اپنی نماز بلند آواز سے نہ پڑھا کرو کہ دوسروں کے حجروں

Marfat.com

تک آواز پہنچے اور دوسروں کے ولولۂ عبودیت میں جوش پیدا ہو اور وہ اپنے دن کی مصروفیتوں کا خیال کئے بغیر بستر سے اٹھ کر وضو کر کے مسجد میں آجائیں اور تمہارے پیچھے کھڑے ہو جائیں اور بالکل آہستہ قرأت بھی نہ کرو کہ جو تمہاری قرأت کے انتظار میں کان لگائے ہوئے ہے اس کو خبر ہی نہ ہو کہ تم نے نماز شروع کر دی بس اوسط درجہ کی آواز سے قرأت کرو کہ جو بستر پہ سونے کے تہیے میں ہے اس کے کانوں تک آواز نہ آجائے اور جو تمہاری قرأت کی طرف کان لگائے منتظر ہے وہ تمہاری قرأت سن لے اور مسجد آنا چاہے تو آجائے مسجد آکر اپنے رسول کے ساتھ شریک نماز ہونے سے لوگوں کو منع کرنا بھی مقصود نہ تھا۔ اور یہ بھی مقصود نہ تھا کہ لوگ دیر تک شوق عبادت میں جاگا کریں اور دن کو ان کا حرج کار ہو اس لئے لوگوں کے شوق عبادت و ولولۂ عبودیت کی قدر افزائی باقی رکھتے ہوئے باحسن وجوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کے دن کے حرج کار سے بچانے کی تدبیر اپنے رسول کو بتائی۔ اس آیۃ کریمہ ولا تجہر بصلوٰتک۔ الآیۃ کو ہر نماز پہ چسپاں کرنا اس کی دلیل ہے کہ مصنف الصلوٰۃ کو قرآنی آیات میں تدبّر کرنے کی مطلق صلاحیت نہیں ہے اور وہ قرآن فہمی کا جو عزور رکھتے ہیں وہ محض ان کا فریب نفس ہے۔

جہری و سرّی نمازیں

از روئے سبیل المومنین عہد نبوی سے آج تک ساری امت میں

Marfat.com

فجر، مغرب اور عشاء تین وقت کی نمازیں جہری پڑھی جاتی ہیں۔ یعنی ان میں قرأت جہری ہوتی ہے سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورہ یا کچھ آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں کہ جماعت کی پہلی دوسری اور کچھ تیسری صف کے لوگ بھی سن سکیں اور ظہر و عصر کی دو نمازیں سری ہوتی ہیں یعنی امام آہستہ قرأت کرتا ہے کہ اگر امام صرف ایک آدمی کے ساتھ بھی پڑھ رہا ہو تو وہ بھی باوجود امام کی بغل میں کھڑے ہونے کے امام کی قرأت نہ سن سکے مگر امام دو ایک لفظ قریب کے مقتدیوں کو سنا دے تو یہ بھی مسنون ہے نماز کے ارکان و اذکار اور نماز کے متعلق ساری باتیں تو حضور صلعم کو ابتدائے نبوت ہی میں غیر قرآنی وحی کے ذریعے بتوسط حضرت جبرئیل بتا دی گئی تھیں اور آپؐ تعلیم جبرئیل کے مطابق نماز پڑھتے آرہے تھے۔ اس وقت سے جب صرف ایک وقت کی نماز فرض ہوئی تھی بغیر تعیین وقت کے اور صحابہ جو اس وقت محض تین چند ہی تھے۔ آپؐ کے ساتھ آپ کے پیچھے مقتدی بنکر یا اپنے گھر پر تنہا پڑھتے تھے پھر تعیین وقت کے ساتھ دو وقت پھر تین وقت پھر چار وقت کی نماز فرض ہوئی یہاں تک کہ حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مقام قبا میں پانچویں وقت کی نماز بھی فرض ہو گئی مگر نماز برابر اسی غیر قرآنی وحی تعلیم جبرئیل کے مطابق ہی پڑھی گئی قرآنی آیات سے جزئیات نماز تلاش کر کر کے نماز کی ہیئات قائم نہیں کی گئی مگر اللہ تعالیٰ نے دینی احکام کے متعلق ہر غیر قرآنی وحی جو کسی وقت بھی آئی تھی اس کا ذکر قرآن مجید میں ضرور فرما دیا ہے تاکہ وہ دینی غیر قرآنی وحی بالکل غیر قرآنی نہ رہے۔ سورہ اعراف مکی سورہ ہے صرف اس کی آیات ۱۶۳ سے ۱۷۰ تک آٹھ آیتیں مدنی ہیں جیسا کہ علماء نے

Marfat.com

تاریخ القرآن میں لکھا ہے مگر میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں میرے نزدیک سورۂ اعراف کی آخری تین آیتیں بھی مدنی ہیں واللہ اعلم بہرحال ان آخری تین آیتوں میں کی پہلی آیت ۲۰۴ ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت فرماتے تھے تو صحابہ بھی مقتدی کی حیثیت سے چپکے چپکے قرأت کرتے رہتے تھے اس کی ممانعت آئی کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کے سنو " چپ رہ کر سنو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ آیت آپ کی یعنی امام کی جہری قرأت باواز بلند قرأت کی کھلی دلیل ہے کیونکہ کان لگا کے سننے اور چپ رہکر سننے کا حکم اسی حالت میں ہوگا جب کہ قرأت باواز بلند ہو اور مقتدیوں کو امام کی قرأت سننے کا موقع ہو۔ سری قرأت جب امام آہستہ پڑھ رہا ہو تو مقتدیوں کا کچھ سننے کا امکان نہیں تو جس وقت سننے کا امکان ہی نہ ہو اس وقت سننے کا حکم کس طرح ہو سکتا ہے اور چپ رہنا تو کان لگا کے سننے کے لئے ہے جب سننے ہی کا امکان نہیں تو پھر چپ رہنا کس غرض سے ہوگا ؟ اس کے بعد دوسری آیت ہے واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر بالغدو والآصال ط یہاں ذکر کا حکم فی نفسک کا فرمایا گیا یعنی چپکے چپکے تضرعا وخیفۃ گریدگی کے ساتھ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے اور صبح کے وقت اور آصال کے وقتوں میں دون الجہر بلند آواز سے قریب آواز سے ذکر کا حکم ہے آصال اصیل کی جمع ہے۔ اصیل کے وقت کے متعلق صحیح قول ابن الفارس کا ہے غروب آفتاب سے نصف شب تک جس میں مغرب عشاء بلکہ تہجد بھی تین نمازیں آجاتی ہیں اس لئے آصال بصیغہ جمع لایا گیا ان تینوں نمازوں کے اوقات کو بتا رہا ہے مطلب یہ ہے

Marfat.com

کہ فجر کی نماز اور آصال کے وقتوں کی مغرب عشا اور تہجد کی نمازیں دون الجہر بلند آواز سے قریب قدرے پست آواز سے قرأت کرو اور باقی نمازوں میں قرأت آہستہ ہو اسی لیے ظہر و عصر اور نوافل ماثورہ و غیرہ ماثورہ میں قرأت آہستہ ہوتی ہے فی نفسک کے بعد دون الجہر دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک ہی حکم سمجھنا غلط ہے دون الجہر میں واؤ استیناف ہے دون الجہر کے اوقات کی تعیین کے بعد ضرورت نہ رہی کہ فی نفسک کے اوقات کی تعیین بھی کر دی جائے۔

آخری آیت ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادتہ ویسبحونہ ولہ یسجدون ط وہ اللہ کے بندے) جو تمہارے رب کے حضور میں حاضر رہتے ہیں (فرشتے) وہ اپنے کو بڑا سمجھ کر تمہارے رب کی عبادت سے کتراتے نہیں ہیں وہ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اسی کے آگے سجدے کرتے ہیں۔ اس آیت سے اس کا پتہ ملتا ہے کہ سجدے میں صرف تسبیح و حمد ہی کی گنجائش ہے۔ سجدے کا مقام بڑے ادب کا مقام ہے تلاوت و قرأت کے لیے قیام ہے۔ رکوع و سجود صرف تسبیح و تحمید کے لیے ہے اور دیں دعاؤں کے لیے سجدوں کے بعد بحالت قعود یعنے ارکان مفروضہ ادا کرنے کے بعد قیام رکوع و سجود تین ارکان فرض ہیں۔ فرض ارکان کے اذکار معین ہیں ان میں ردّ و بدل جائز نہیں چونکہ اصل نماز وہی رکعت شروع سے فرض چلی آرہی تھی جنگ بدر سے قبل تک بلکہ جنگ بدر تک، فتح جنگ بدر کے شکریہ میں ظہر، عصر و عشاء کی تین نمازوں میں دو دو رکعتوں کا اضافہ ہوا اور مغرب کی نماز میں صرف ایک رکعت کا اضافہ ہوا

ذخیرہ

Marfat.com

Marfat.com